ارج گل

مکمل ناول

رہِ عشق میں

عشق بیک وقت آگ بھی ہے اور پانی بھی..... تپش بھی ہے اور ٹھنڈک بھی.....

کبھی کبھی عشق لاحاصل انسان کو حیوانیت کے درجے پر لے جاتا ہے اور کبھی عشق لاحاصل ہی کن فیکون ایسا سکون بخش دیتا ہے کہ صحرا میں بارش کا گمان..... ایک بوند اور سارا دامن سیراب..... بھی پیاس سے پاگل اور کبھی پیاس میں سیرابی.....

جس طرح چودھویں کی رات میں چاندنی میں نہائی یہ حویلی کوئی عجوبہ دکھتی تھی، اسی طرح اماوس کی رات میں ڈھیروں الیکٹرک بلب، ٹیوبز جلنے کے باوجود یہ حویلی اپنی طرزِ تعمیر کی بنا پر کافی پراسرار دکھ رہی تھی۔ بیسمنٹ کی طرف جاتے ہوئے پہلی سیڑھی پر اس کے قدم لڑکھڑائے تھے۔ اس نے بمشکل دیوار کا سہارا لے کر خود کو سنبھالا اور دائیں ہاتھ سے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کر ڈالا۔ اب وہ مضبوطی سے قدم اٹھاتے ہوئے بڑھ رہی تھی۔ تین، چار..... پانچ..... دھک دھک دل کے ساتھ اس نے تمام سیڑھیاں طے کر ڈالیں۔ وہ آگے بڑھی اور مضبوط ہاتھوں سے تالا کھول ڈالا۔ اندر قدم رکھتے ہوئے اس کے قدم ایک بار پھر ڈگمگا اٹھے۔ اس نے دوبارہ اپنے حواس بحال کیے اور اندر داخل ہوگئی۔ تاحدِ نظر اندھیرا ہی اندھیرا، وہ اندازے سے بائیں طرف چلی گئی، دیوار پر ہاتھ مار کر بورڈ ڈھونڈا اور تمام بٹن آن کر ڈالے۔ یکبارگی پیلی پیلی روشنی پورے کمرے میں پھیل گئی۔ بوسیدہ دیواریں، جالوں سے اٹی ہوئی چھت جیسے ماتم کناں تھی۔ اس نے چاروں طرف نگاہیں گھما ڈالیں اور سامنے نظر دوڑاتے ہوئے اس نے

کتنی دیر سے رکی اپنی سانسیں خارج کیں اور بے ساختہ دیوار سے لگ گئی۔ دل دوبارہ بہت زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اب وہ اپنے بالکل سامنے دیکھ رہی تھی۔ طارم مصطفیٰ جیسے بیسمنٹ میں پڑے دیگر کباڑ کا حصہ لگ رہی تھی۔ بے حس و حرکت تھی، جیسے پتھر کی مورت، جیسے زندہ لاش..... دونوں ہاتھ آہنی زنجیروں سے پیچھے دیوار سے بندھے تھے۔ وہ گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی تھی۔

اس نے اپنی تمام ہمتیں مجتمع کیں اور اس کے بالکل مقابل آ کر بیٹھ گئی۔

"طارم!" لہجے میں واضح لرزش تھی۔ کوئی جواب، کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا تھا۔

"طارم!" اب کی بار اس نے کافی مضبوط لہجے میں پکارا تھا۔

پتھر کی مورت میں ہلکی سی حرکت ہوئی تھی۔ اس نے گھٹنوں پر رکھا سر اٹھا کر اسے دیکھا اور ہونقوں کی طرح دیکھتی چلی گئی جیسے پہچاننا چاہ رہی تھی۔

"یہ طارم ہے؟" وہ بے اختیار بڑبڑائی تھی اور حیرت سے اس کو دیکھنے لگی۔ بڑی بڑی سبز جھیل سی آنکھیں جیسے خشک ہوگئی ہوں اور ان پر پیلا رنگ چڑھ گیا ہو..... چاند سا روشن شہابی رنگت کا چہرہ جیسے بجھ گیا ہو، مرجھا گیا ہو..... وقت کی سیاہی جیسے چہرے پر جم گئی ہو..... وہ تیکھے نقوش، وہ پنکھڑی سے لب..... سب کچھ..... سب کچھ جیسے کسی نے بدل کر، جھلسا کر رکھ دیا ہو..... جیسے نفرت کی آندھی چلی ہو اور سب کچھ حسن و دلکشی اپنے ساتھ اڑا کر لے گئی ہو.....

"کون ہو تم؟ میرے پاس کیا لینے آئی ہو؟" خوف زدہ سا لہجہ ماحول میں ارتعاش پیدا کر گیا۔ اس کی حالت پر وہ بے اختیار رو دی۔ گال خود بہ خود بھیگنے لگے۔

"طارم.....!" بڑی مشکل سے خود کو سنبھالنے کے بعد وہ ہکلائی تھی۔ "تم طارم.....!"

"ہاں، میں طارم ہوں، مخمور کن، دلفریب خوشبو۔ لیکن تم کون ہو؟ میرے پاس کیا لینے آئی ہو؟" اب کی بار وہ کچھ نارمل انداز سے پوچھ رہی تھی۔

"طارم.....! میں تمہیں لینے آئی ہوں۔ چلو باہر چلو، دیکھو، تمہاری حویلی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔" وہ بہت اعتماد سے، بہت پیار سے بات کر رہی تھی لیکن طارم نے بات کاٹ دی۔ "ہاں، یہ میری حویلی ہے، صرف میری حویلی..... اور وہ وہ بھی میرا ہے۔ صرف میرا، میں نے اسے نکال دیا ہے اب میرا اور حویلی صرف میرے ہیں، صرف میرے۔"

وہ یکدم ہی زور زور سے چلانا شروع ہوئی اور آخری دو لفظوں کی گردان شروع کر دی تھی۔ اس لمحے وہ پاگل لگ رہی تھی، پوری پاگل۔

"طارم! طارم! ہوش کرو، وہ چلی گئی ہے، تم نے اسے نکال دیا ہے، پر تم، تم کیوں ادھر بند ہوئی ہو، ادھر سے باہر چلو۔" اس نے مضبوطی سے اس کے بازو پکڑ کر سختی سے کہا۔

"وہ آ بھی جائے تو کیا فرق پڑتا ہے، وہ..... وہ پہلے جیسی حسین نہیں رہی ہے۔ میں نے..... طارم مصطفیٰ نے خود اس کے حسین چہرے پر تیزاب پھینکا تھا۔ سونگھو، تمہیں انسانی جلد جلنے کی بو نہیں آ رہی؟ سونگھو نا۔" اب وہ ناک سکیڑتی ہوئی اس سے پوچھ رہی تھی۔

"وہ چڑیل بن چکی ہے، خوفناک ہو چکی ہے لیکن..... لیکن۔" وہ خوشی سے چیختی چیختی اچانک افسردہ سی ہوگئی۔ "لیکن میرا ابھی بھی اس سے عشق کرتا ہے، اس کو یاد کرتا ہے، اس کا انتظار کر رہا ہے کیوں، کیوں؟ ایسا کیوں ہے؟"

نہایت افسردگی سے بولتی بولتی آخر میں وہ اتنی زور زور سے چیخنے لگی تھی کہ اسے لگا، طارم مصطفیٰ کی چیخیں اس کمرے کی دیواریں ہلا کر رکھ دیں گی۔ کمرے کی چھت جیسے اس پر آ گرے گی۔ اس کا دل پھٹنے لگا۔ وہ تیزی سے اٹھنے لگی۔

"سنو، سنو، تم کون ہو؟ یہی چہرہ، یہی آنکھیں، وہ بالکل تمہاری جیسی تھی۔" طارم نے چونک کر اسے اٹھتے ہوئے دیکھا اور گہری نگاہیں اس پر جما کر اس سے حیرت سے پوچھنے لگی۔ "وہ چہرہ دوبارہ میرے سامنے کیسے آ سکتا ہے؟ تم وہ نہیں ہو، نکلو یہاں سے، نکلو۔" وہ دوبارہ پاگل پن پر اتر آئی تھی۔

وہ سرعت سے بھاگی اور بغیر دروازہ بند کیے، لاک لگائے سیڑھیاں چڑھ کر باہر نکل آئی۔ وہ بن آواز مسلسل رو رہی تھی۔ وہ لان کی طرف بھاگنے لگی۔

"شیر علی! شیر علی!" وہ شیر علی کے کوارٹر کی طرف جا رہی تھی۔ رات کی تاریکی و جامد خاموشی میں اس کی غصیلی آواز بہت تیز سنائی دے رہی تھی۔ شیر علی اپنے کوارٹر سے آنکھیں رگڑتا ہوا برآمد ہوا اور ادب سے اس کے سامنے آ کر جھک کر کھڑا ہو گیا۔ "جی.....! جی بی بی صاب!"

"طارم بی بی کو اس طرح باندھ کر کیوں رکھا ہوا ہے؟ ہاتھ کیوں باندھے ہیں ان کے؟ اور کمرے کی حالت دیکھی ہے، جیسے کسی فقیر کی کٹیا..... تمہارے ذمے ہے نا بیسمنٹ کا سارا نظام؟" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"جی.....! جی بی بی! پر وہ صاب کا حکم ہے کہ طارم بی بی کو باندھ کر رکھا جائے۔ وہ خود کو نقصان پہنچا سکتی ہیں اور جی، صاب نے ہی کہا تھا، زیادہ پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے..... بی بی جی، میں تو غلام ہوں۔" وہ اٹک اٹک کر بول رہا تھا۔

"اچھا، تو یہ احسان طارم مصطفیٰ پر تمہارے سائیں نے کروایا ہے، ویسے کہاں ہیں تمہارے سائیں؟ گھر تشریف لا چکے ہیں یا ابھی بھی باہر کے دورے پر ہیں؟" وہ نہایت طنزیہ لہجے میں شاہ مجر کے بارے میں استفسار کرنے لگی۔

"ج..... جی.....! وہ....." شیر علی نے حیرت سے اس کے پیچھے دیکھا اور نگاہیں جھکا لیں۔ وہ

سلام کے حقوق

مسلمان، مسلمان سے ملے تو اس کو سلام کرنا چاہیے۔

چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔

سوار بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔

کم تعداد، بڑی تعداد کو سلام کرے۔

چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔

اشارے سے سلام کرنا، جب مخاطب دور ہو۔

زور سے سلام کرنا تاکہ مخاطب سن لے (الادب المفرد)

نہایت غصے میں مڑی اور بری طرح چونک گئی۔ سرد نگاہیں اندر تک اترتی ہوئی اس کے چہرے کو حصار میں لے چکی تھیں۔ ایک لمحے میں وہ اپنا سارا غصہ، شکایتیں، ہمدردیاں ختم کر بیٹھی تھی، ایک خوف سا چھا گیا تھا۔ نگاہیں جھکا کر وہ ضائع کیا سب کچھ جمع کر رہی تھی تاکہ لفظوں کی صورت میں زبان پر لا سکے لیکن اس کی طرف سے رخ موڑ لیا گیا۔ اس نے فی الفور نگاہیں اٹھائیں۔ وہ بے حسی کی تصویر بنا تیز تیز قدموں سے اندر کی طرف جا رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ کون سے لفظوں کی زنجیر اس کے قدموں میں ڈال کر اس کے اٹھتے قدم روکے۔

☆.....☆

نکھرا نکھرا موسم، ٹھنڈی شام اور ایک خوب صورت احساس اس کے اردگرد کہ اس نے ایف اے پاس کر لیا، اب وہ بھی زیادہ نہ سہی، لیکن پڑھے لکھے لوگوں کی فہرست میں شامل ہو چکی ہے، چاہے اس کے فرسٹ ڈویژن آنے پر محلے میں مٹھائی تقسیم نہیں ہوئی، اس کی ماں نے فخر سے اس کا ماتھا نہیں چوما، بے شک اسے کسی نے گلے نہیں لگایا تھا، اسے چنداں فکر یا دکھ نہیں تھا، تعلیمی شعور آگے بڑھنے کی امید ہی اس کے لیے بہت تھی۔ تپتی دوپہر میں آسمان پر یکبارگی کالے کالے

بادل چھا جائیں تو دل کیسے خوشی سے لبریز ہو جاتا ہے جیسے اس وقت بادلوں کو دیکھ کر اس کا ہو گیا تھا۔ اس نے آہستگی سے سر پر لپٹا دوپٹہ اتار کر کندھوں پر پھیلایا اور آنکھیں بند کر کے موسم کی ٹھنڈک محسوس کرنے لگی۔

آنکھیں بند کرتے ہی وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچ چکی تھی۔ خوب صورت نیلے شفاف پانی کی ندی جس پر چاند کا عکس واضح دکھ رہا تھا۔ املتاس کے پیلے پھول نیلے پانی کی سطح پر تیرتے ستارے دکھ رہے تھے۔ وہ کنارے پر پانی میں پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔ ٹھنڈے پانی نے اس کے پاؤں گدگدا دیئے' وہ بے اختیار ہنس دی۔

''باجی.....! کیا پاگل ہو گئی ہو؟''

آواز پر اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ مشی پاس کھڑی حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''نہیں تو۔'' اس نے جواب مسکرا کر دیا۔

''پھر ہنس کیوں رہی تھیں؟''

''ویسے ہی' تم کیوں آئی ہو' اسکول کا کام ختم کر لیا؟''

''وہ..... آپ کو اماں بلا رہی ہیں۔'' مشی نے اس کی بات کا مختصر سا جواب دیا۔

''کیوں.....؟'' اس نے بے زاری سے پوچھا۔

''پتا نہیں' ویسے بڑی خوش دکھ رہی ہیں' ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ خالہ زبیدہ آئی ہوئی تھیں۔'' مشی نے اس کی بے زاری دیکھ کر سوچتے ہوئے بتایا۔

''وہ رشتوں والی خالہ زبیدہ؟'' اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں ناگواری عود کر آئی۔

''ہاں.....! وہی۔''

''اے کشمائن! کشمائن!'' اس سے پہلے کہ وہ دونوں کچھ مزید گفتگو کرتیں' اماں کی تیز آواز پر وہ بوکھلا گئی۔

''آ رہی ہوں اماں.....!'' وہ تیزی سے کہہ کر نیچے بھاگ گئی تھی۔

''جج..... جی اماں! بلایا ہے آپ نے؟'' کچن میں اماں کو دیکھ کر وہیں چلی آئی۔ اماں چائے کی دیگچی ہاتھ میں لیے کھڑی تھیں۔

''ایسے کیوں گھوڑیوں کی طرح بھاگ کر آئی ہے' تمیز نہیں ہے تجھے؟'' اس کو ہانپتا ہوا دیکھ کر اماں نے تیکھے سے انداز سے ڈانٹا اور کشمائن ابراہیم نے نگاہیں جھکا لیں۔ دل میں ایک حسرت' ایک خواہش سی ابھری تھی کہ کم از کم آج اس خوشی کے دن اماں اس کو نہ ڈانٹیں۔ اس کی خوشی میں بے شک وہ خوش نہ ہوں پر اسے بھی اداس نہ کریں۔

''ایک کپ چائے بنا کر میرے کمرے میں آ' میں نے تجھ سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔'' اماں کو شاید اسے دیکھ کر خیال آیا تھا کہ وہ چائے صرف اسی کے ہاتھ کی پیتی ہیں اس لیے دیگچی شیلف پر رکھی اور اسے گہری نگاہوں سے دیکھتی ہوئی کچن سے باہر نکل گئیں۔

پھر تھوڑی ہی دیر میں وہ اماں کے کمرے میں چائے کا کپ انہیں پکڑا کر ان کی چارپائی پر بیٹھ چکی تھی۔ دل کی رفتار بہت تیز تھی کہ جانے خالہ زبیدہ اس بار کس نشئی کا رشتہ لے کر آئی ہوں گی؟

''کشمائن! اب دیکھ' میں نے تجھے ایف۔ اے بھی کرا دیا ہے۔''

اماں کے لہجے میں اتنا احسان تھا کہ وہ دب ہی گئی حالانکہ ایف اے اس نے ٹیوشنز پڑھا پڑھا کر اور سراسر اپنی محنت سے کیا تھا' اس میں اماں کا کیا دخل تھا۔

''تو پھر اماں.....!'' اس نے ڈر ڈر کر پوچھا۔

''تو پھر یہ کہ تیرا ایک بہت اچھا رشتہ آیا ہوا ہے اور اس بار میں ہرگز انکار نہیں کروں گی کیونکہ رشتہ مجھے بہت پسند آیا ہے تو خود کو تیار کر لے' کچھ دن کے اندر اندر میں تیرا نکاح کر دوں گی۔''

اماں نے نہایت قطعی انداز سے اپنی بات ختم کی اور چھناک سی آواز سے کچھ اس کے اندر ٹوٹ

امریکا کا مشہور کہانی کار ولیم سڈنی پورٹر (1862-1960ء) جس کا قلمی نام او ہنری تھا۔ کچھ رقم غبن کرنے کے الزام میں تین سال کی قید بھگت رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ قید کے یہ تین سال کیوں کر گزارے۔ آخر ایک ترکیب سوجھی' اس نے افسانے لکھنے شروع کر دیئے۔ جب وہ جیل سے رہا ہوا تو وہ تین سو افسانے لکھ کر اور چھپوا کر ملک گیر شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اس کے افسانوں کی خاص بات یہ تھی کہ ہر افسانے کا انجام چونکا دینے والا ہوتا تھا۔

فیصل دین پوری۔ خان پور کنورا

گیا۔ وہ اماں کو رحم طلب نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ کتنے لفظ حلق تک آ کر رک گئے پر زبان جیسے تالوے چپک گئی تھی کیونکہ پچھلے تین رشتے اس نے اماں کے پیروں میں بیٹھ بیٹھ کر ختم کروائے تھے لیکن اس بار اماں کے چہرے کے سرد و سخت تاثرات بتا رہے تھے کہ اب اس کی منتوں ترلوں کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ کچھ دیر وہ بے حس و حرکت بیٹھی پتھری اماں کو دیکھتی رہی اور پھر تیزی سے اٹھ کر ان کے کمرے سے نکل گئی۔

☆.....☆

''شنو! شنو!'' اس کی کراری آواز کچن میں کام کرتی شنو کے کانوں میں پڑی اور وہ تیزی سے دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی طارم مصطفیٰ کے کمرے کی طرف دوڑ پڑی۔

''جی بی بی صاب! آپ نے بلایا؟'' شنو نے کمرے میں داخل ہو کر مودبانہ انداز سے پوچھا۔

طارم دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

''ادھر آؤ' میرے سر میں درد ہے' سر دباؤ۔'' طارم نے کراہتے ہوئے کہا اور تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔

''کیا ہوا بی بی صاب! سر میں درد کیوں ہو رہا ہے؟ دن میں کھانا تو کھایا تھا نا آپ نے؟'' شنو تشویش سے پوچھتی ہوئی اس کے پاس آ کر بیڈ کے کونے میں بیٹھ گئی اور نرمی سے اس کا سر دبانے لگی۔

''ہاں بھئی' کھایا تھا۔'' اس نے اکتائے ہوئے انداز سے کہا۔ ''اچھا بی بی' پھر شاید آپ کو فکر لگ گئی ہے' لال رنگ جو پہنا ہوا ہے۔'' شنو نے مزید پریشانی ظاہر کرتے ہوئے کہا تو وہ بے اختیار مسکرا دی۔

''تو چلو' جو تمہیں نظر کا دم آتا ہے نا' وہ کر دو۔''

شنو نے نظر بھر کر چودھویں کے چاند سے چمکتے چہرے کو دیکھا اور آنکھیں بند کر کے دم کرنے لگی۔

''بی جان کہاں ہیں؟''

تھوڑی ہی دیر میں کاریڈور میں نہایت گمبھیر مردانہ آواز ابھری تھی اور طارم نے پٹ سے بند نگاہیں کھول دیں۔

''شنو.....!'' اس نے بہت سختی سے آواز دی تھی۔

''جج..... جی!'' نہ چاہتے ہوئے بھی شنو نے دم کے دوران آنکھیں کھول کر کہا۔

''دیکھ کر آؤ' صاحب کس کمرے میں جا رہے ہیں؟'' اس نے حکم دیا تو شنو تیزی سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔

طارم نے بیڈ سے اتر کر ماتھے پر بکھرے سلکی بلیک بال کان کے پیچھے کیے اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ گئی۔ ریڈ کلر کا نہایت خوب صورت سوٹ' شیفون کا دوپٹہ' آج اس کا حسن مقابل کو راکھ کر دینے کی حد تک حسین لگ رہا تھا۔ سبز آنکھوں میں اس نے ہلکے کاجل کی لکیر لگائی تھی اور خود ہی کو دیکھ کر شرم سے خود ہی مسکرا دی۔

''بی بی! میر صاحب' بی جان کے کمرے میں ہیں۔''

''اچھا.....!'' شنو کی اطلاع سن کر وہ تیزی سے اپنے روم سے نکلنے لگی۔

"بی بی.....! وہ ذم....."

"پھر ہو جائے گا۔"

شنو کا اٹکا ہوا جملہ مکمل ہی نہیں ہوا اور وہ لاپروائی سے کمرے سے نکل گئی۔ سرعت سے چل کر وہ بی جان کے کمرے تک آئی اور پھر آہستگی سے اندر داخل ہوگئی۔ بی جان وہیل چیئر پر بیٹھی کسی بات پر مسکرا رہی تھیں جبکہ شاہ میر سامنے صوفے پر سنجیدہ بیٹھا تھا۔

"ارے طارم! سر درد تو ٹھیک ہوگیا نا تیرا؟" بی جان نے اس کو دیکھتے ہی فکرمندی سے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا' خاموشی سے وہیل چیئر کے پاس آ کر بیڈ پر بیٹھ گئی اور سر جھکا لیا۔

"طارم ادھر ہی ہے؟" اماں نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور طارم پر نظر پڑتے ہی اندر چلی آئیں۔ "شنو بتا رہی ہے' تمہارے سر میں درد ہے۔ ٹیبلیٹس لی ہیں تم نے؟" اماں جی کے لہجے میں فکرمندی کی انتہا تھی لیکن وہ اب بھی کچھ نہ بولی۔

"کیا ہوا' کچھ زیادہ ہی سخت درد لگ رہا ہے جو سب یوں پوچھ رہے ہیں؟ خیریت تو ہے طارم؟"

شاہ میر نے جان بوجھ کر لہجہ شوخ کیا تھا حالانکہ فکر تو اسے بھی لاحق ہوگئی تھی ہنوز خاموشی سنجیدگی چھائی تھی اس کے چہرے پر۔

"اوہو' یاد آیا' میر! تمہیں کل طارم نے کہا تھا کہ اسے شہر جانا ہے' کچھ شاپنگ کرنا ہے۔ تم نے کہا تھا کہ آج لے جاؤ گے تو لے کر کیوں نہیں گئے؟" اماں جی کو معاً یاد آیا تو وہ خفگی سے شاہ میر سے پوچھتی ہوئی طارم کے پاس آ بیٹھیں اور اس کے لمبے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔ خفگی کے تاثرات طارم کے چہرے پر پھیل چکے تھے۔

"اور یہ لی بی جان! آج صبح سے ہی اتنی مصروفیت تھی کہ میرے دھیان سے ہی نکل گیا کہ طارم مصطفیٰ کو مارکیٹ لے کر جانا ہے' سوری طارم! اب ابھی چلو' اتنی رات نہیں ہوئی ہے۔" شاہ میر نے شرمندہ سا ہو کر افسوس سے گردن ہلائی اور بی جان سے بات کرتا ہوا طارم سے مخاطب ہوگیا جو اس کی چچازاد ہونے کے ساتھ ساتھ خالہ زاد بھی تھی۔

"جی نہیں بی جان! اب مجھے کہیں نہیں جانا۔ میں شنو کے ہاتھ کچھ کتابوں کے نام بتا رہی ہوں' مجھے وہ چاہئیں ابھی ابھی۔" وہ قطعی انداز سے کہتی ہوئی اٹھی اور شاہ میر کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے نکل گئی۔

وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی تھی اور بیڈ پر ڈھے گئی۔ غصے' خفگی کی تہہ چڑھا کر وہ یونہی اپنی اہمیت جتایا کرتی تھی۔ حویلی میں اس کے سوا تین نفوس بی جان (اس کی دادی) خالہ جان (جو کہ چچی بھی تھیں) اور شاہ میر جو کہ اس کا فرسٹ کزن ہی نہیں' اس کے لیے اور بھی بہت کچھ تھا۔ تینوں ہی اس کا اس طرح خیال رکھتے تھے جیسے وہ کانچ کی گڑیا ہو۔

وہ بیڈ پر لیٹی کچھ دیر مسکراتی رہی اور پھر بیڈ کراؤن سے ڈائری اٹھا کر اس کا صفحہ پھاڑا اور مطلوبہ بکس کے نام لکھ کر شنو کو آوازیں لگانے لگی۔

☆.....☆

چلچلاتی دھوپ نے اس کا شفاف گندمی چہرہ سرخ کر کے رکھ دیا تھا لیکن وہ بیٹھی تھی۔ چھت کی منڈیر سے ٹیک لگائے' نگاہیں چھت کی زمین پر گڑی تھیں' معاً اس نے نگاہیں اٹھا کر سورج کی طرف دیکھنا چاہا لیکن آنکھیں چندھیا گئیں۔ اسے بے ساختہ سر جھکانا پڑ گیا بھلا جلتے ہوئے سورج کی آنکھوں میں بھی کوئی جھانک سکا ہے۔ یہ تو آگ ہے' جلا کر رکھ دیتا ہے اور اسے ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے اماں کی نفرت کا سورج اس کا نصیب جلا کر رکھ دے گا۔ یکا یک اس کی آنکھیں گرم پانیوں سے بھر گئیں۔

"کشمائن.....!" قریب ہی سے حیرت میں ڈوبی نسوانی آواز ابھری تھی۔

"ہاں.....!" وہ چونک کر دائیں طرف دیکھنے لگی۔

"اتنی دھوپ میں ادھر کیا کر رہی ہے؟" سارہ ساتھ والی چھت کے منڈیر پر ہاتھ رکھے کھڑی حیرت سے استفسار کر رہی تھی۔

"کچھ بھی نہیں' ویسے ہی بیٹھی تھی۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر اٹھی اور دائیں طرف منڈیر پر ہاتھ رکھ کر سارہ کے قریب آ کر کھڑی ہوگئی جو اس کا مکمل جائزہ لے رہی تھی۔

"تو روئی ہے؟" وہ تشویش سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں' ویسے تو اتنی دھوپ میں اوپر کیا کر رہی ہے؟" کشمائن نے نفی میں گردن ہلائی اور بہت نارمل انداز سے پوچھنے لگی۔

"میں..... سچ بتاؤں تو تجھے ہی دیکھنے آئی تھی پر کیا معلوم تھا تو چھت پر ہی نظر آ جائے گی۔"

"خیریت؟" سارہ کا لہجہ کچھ فکرمند سا تھا' سو کشمائن نے فوراً پوچھا۔

"کل تمہارے گھر خالہ زبیدہ آئی تھی؟"

"ہاں' پر وہ تو روز ہی آتی ہے۔" کشمائن نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں' وہ کل کچھ عورتوں کے ساتھ آئی تھی' تیرا رشتہ لے کر۔"

"ہاں.....!" کشمائن کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ وہ یہ بات چھپانا چاہ رہی تھی اور سارہ پہلے سے جانتی تھی۔

"تیری اماں نے ہاں تو نہیں کر دی؟" سارہ کے لہجے میں حد درجہ پریشانی تھی۔

"کک..... کیوں؟" کشمائن کا دل بیٹھنے لگا۔ اس بار تو اماں نے اسے لڑکے کے بارے میں کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔

"تو بتا' ہاں تو نہیں کر دی تیری جلاد اماں نے؟"

"ہاں سارہ' اماں نے ہاں کر دی ہے پر....."

"نہیں کشمائن' یہ تو بہت بڑا ظلم ہے۔ پتا بھی ہے خالہ کس کا رشتہ لیے لیے پھر رہی تھی' اس بدقماش' لفنگے' شرابی انور کا..... وہی انور جو باقاعدگی سے کوٹھے پر جاتا ہے' جو پہلے اپنی گلی کے نکڑ پر رہتا تھا اور پھر بٹ صاحب کے بیٹوں نے دھکے دے کر اسے اس گلی سے نکال دیا تھا اور یہ وہی انور ہے جو روز کالج کے دروازے پر کھڑا ہو کر لڑکیوں کو چھیڑتا ہے۔ کل بھائی' اماں کو بتا رہا تھا کہ آج کل بہت امیر ہوگیا ہے اور دھندا پتا ہے کیا ہے' بھائی کہہ رہا تھا کہ لڑکیوں کو کوٹھے پر لانے لے جانے کا کام کرتا ہے' توبہ! توبہ! خالہ زبیدہ کو تو پیسے چاہئیں' چاہے کوئی بھی دے دے لیکن شاید تیری اماں کو ان سب باتوں کا علم نہیں ہے؟ بھائی نے کہہ کر کل ہی اماں کو تیرے گھر بھیجا تھا پر تیری اماں تو کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں ہے اور ویسے بھی وہ کسی کی سنتی ہی کب ہے پر تو کچھ کر کشمائن.....! تو' تو اتنی نیک' اتنی اچھی ہے' تیرا کیا بنے گا؟"

سارہ اپنی ہمدردیاں دکھا رہی تھی اور وہ تو جیسے کسی تپتے صحرا میں پہنچ گئی تھی' بن سائبان' ننگے پاؤں' تپتی ریت اور گرم ہوا کے تھپیڑے جیسے اس کو ختم کرنے کے درپے تھے۔

"اچھا' مجھے نیچے اماں بلا رہی ہیں' تو اپنی اماں سے بات ضرور کرنا۔" سارہ اب واپس جا رہی تھی اور وہ ہنوز اسی گومگو کیفیت میں گھری چھت کے فرش پر بیٹھ گئی تھی۔

☆.....☆

"اوئے حیدر.....! چل' میری ٹانگیں دبا' صبح سے درد ہو رہا ہے' کبھی ماں کا خیال بھی کر لیا کر۔" رات کو اماں بستر پر لیٹی تو دوسری چارپائی پر بیٹھے پڑھتے ہوئے حیدر کو سختی سے مخاطب ہو کر بولی۔

"اماں.....! دکھ نہیں رہا' میں پڑھ رہا ہوں۔ اس نکمی مشی سے دبوا لے۔" حیدر نے بدتمیزی سے کہا اور رخ پھیر لیا۔

"اماں..... مجھے نیند آ رہی ہے۔" حسب معمول مشی نے جمائی لی اور اٹھ کر باہر چلی گئی۔ گھر میں دو کمرے تھے' ایک میں اماں اور حیدر' ایک میں کشمائن اور مشی سوتے تھے۔

"میں دبا دیتی ہوں اماں!" حسب عادت وہ اماں کی چارپائی پر آ بیٹھی اور ان کی ٹانگیں دبانے لگی۔

"اس جمعے کو نکاح ہے تیرا۔ میں زبان دے چکی ہوں۔" اماں کے لہجے میں مٹھاس ہی مٹھاس تھی۔

"اماں.....! اس جمعے کو؟" وہ از حد پریشان ہوگئی۔

"ہاں.....! کیوں.....؟" اماں فی الفور سخت ہوگئیں۔

"اماں.....! اماں.....! میں تیرے پاؤں پڑتی ہوں' میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" اس نے پہلے پیروں کو ہاتھ لگائے اور پھر ہاتھ جوڑ دیئے۔ "اماں.....! مجھ پر یہ ظلم مت کر۔ تو چاہے تو....."

"بکواس بند کر' خبردار جو تیری آواز بھی نکلی۔ میں زبان دے چکی ہوں۔" اماں گرج دار آواز میں بولی۔ "بہت بار تیرے کہے میں آ کر میں نے انکار کر دیا' اب کی بار نہیں۔"

"اماں.....! تو کیسی ماں ہے؟ تو بیٹی کا درد نہیں سمجھتی؟ تو مجھے سوتیلا سمجھ پر میں تو نہیں سمجھتی۔ تو میری ماں ہے' کچھ تو رحم کر۔ تجھے شاید پتا نہیں ہے' وہ انور لڑکیوں کی خرید و فروخت کرتا ہے' کوٹھے پر جاتا ہے' نائیکہ سے شیئر ہے اس کا۔ اماں.....! بھلا ایسے آدمی کا کیا بھروسہ' کیا پتا مجھے؟"

"سب جانتی ہوں میں۔ نکاح کر رہا ہے وہ تجھ سے' بیوی بنا کر رکھے گا اور آج کل کیا نہیں ہو رہا اس دنیا میں۔ شکر کر تجھے پہلے ہی پتا چل گیا' بعد میں پتہ چلتا تو کیا ہوتا..... اور ایک بات کان کھول کر سن لے' اگر تو نے چوں چرا کی تو میں تجھے ختم کر دوں گی' سمجھی' پالا پوسا' پڑھایا لکھایا' آج یہ صلہ دے رہی ہے؟"

درندگی' سفاکی' لالچ' ہوس' سب کچھ عیاں تھا اس عورت کے چہرے کے ایک ایک نقش سے..... لہجے میں حقارت تھی' نفرت تھی اور آج پہلی بار کشمائن ابراہیم کو اس عورت سے جسے وہ اماں کہتی تھی' اتنی نفرت' اتنی گھن محسوس ہو رہی تھی کہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کا گلا گھونٹ دے۔

☆.....☆

سنگین قدم یونہی نہیں اٹھ جاتے' ان کے پیچھے سنگین حالات بھی موجود ہوتے ہیں۔ کچھ لڑکیاں عزتوں کی لاشیں گرا کر گھر سے بھاگتی ہیں پر وہ تو عزت بچانے کے لیے گھر سے بھاگی تھی۔ اس کی نظر میں "دارالامان" جیسی عزت دار پناہ گاہ اس کی منزل تھی لیکن گھر سے باہر نکل کر معلوم ہوا تھا کہ منزلیں یونہی نہیں مل جایا کرتیں۔ دوپہر سے شام تک کتنے ہی انور اس کی خوف زدہ آنکھیں اور ہراساں چہرہ دیکھ کر اس کی طرف لپکے تھے اور وہ کسی نہ کسی طرح خدا سے دعائیں مانگتی ان سے بچ گئی تھی۔ بارش شروع ہوئی تو وہ ایک شیڈ کے نیچے آ کھڑی ہوئی اور آنکھیں موند لیں۔ خواہشیں اور دکھ..... اس کا سرمایہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ معاً قدموں کی چاپ نے اس کے ہوش اڑا دیئے۔ دائیں طرف سے دو آدمی آ رہے تھے۔ اس نے غور سے دیکھا' یہ تو وہی تھے جو کچھ دیر پہلے اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ اس نے زیادہ غور سے دیکھا' ان میں ایک تو انور تھا' وہ اسے کئی بار دیکھ چکی تھی' اب بالکل پہچان چکی تھی۔ اس کے اندر سنسناہٹ سی ہوئی تھی اور ہاتھ پاؤں یخ ہو گئے تھے پھر اچانک ہی کچھ ہوا' اس نے اپنی تمام ہمتیں مجتمع کیں اور بائیں طرف سڑک پر دوڑ لگا دی۔ وہ سرپٹ بھاگ رہی تھی۔ اس نے کچھ نہیں سنا' بجلی کی کڑک' قدموں کی دھمک' پانی کا شور' وہ بھاگتی رہی اور پھر بھاگتی بھاگتی تھک گئی۔ وہ لڑکھڑا کر گر گئی تھی اور پھر ساتھ کھڑی گاڑی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس نے گھٹنوں پر سر رکھا اور سسک اٹھی۔

"او کے' کل ملاقات ہوگی۔ میں تیری زمینوں پر ہی آ جاؤں گا۔" سعد نے گرم جوشی سے کہا۔

"او کے' اللہ حافظ!" شاہ میر نے مسکرا کر جواباً کہا اور اس کے گاڑی میں بیٹھتے ہی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ بارش رک چکی تھی پر یخ بستہ ہوا چل رہی تھی۔ وہ گنگناتا ہوا آیا اور جیسے ہی گاڑی کے دروازے کی طرف بڑھا' چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔ گھٹنوں پر سر رکھے سکتا وجود اسے بے تحاشا حیران کر گیا تھا۔

"کون ہو تم؟ ایکسکیوز می! یہاں ایسے کیوں بیٹھی ہو۔" وہ کچھ آگے بڑھا اور پنجوں کے بل اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ حیرت بھری نرم آواز سن کر کشمائن نے نہ چاہتے ہوئے بھی ڈرتے ڈرتے سر اٹھا کر دیکھا۔ مقابل نہایت معتبر دکھ رہا تھا لیکن اس نے دوبارہ سر گھبرا کر گھٹنوں پر رکھ دیا۔ شاہ میر پریشانی میں ڈوب گیا۔

"دیکھو' بتاؤ مجھے کون ہو تم؟ یہاں ایسے کیوں بیٹھی ہو؟" ایک لمحے میں کتنی ہی کہانیاں شاہ میر کے ذہن میں آ گئیں۔ "مم..... میں....." کشمائن نے سر اٹھا کر کپکپاتے لب سے کچھ کہنا چاہا۔

"ہاں' بولو....." شاہ میر از حد سنجیدہ تھا۔

"میں..... میں کشمائن..... مجھے وہ لوگ لے جائیں گے..... وہ انور..... اماں مجھ سے اس کی شادی کروا رہی تھیں پر میں....." وہ بے ربطگی سے بولتی بولتی درمیان میں ہی رو پڑی۔

"رو مت' بات مکمل کرو' شاباش' بتاؤ مجھے' کون ہو تم؟" وہ کچھ نرم پڑ گیا۔

"میں کشمائن ہوں۔ مجھے دارالامان جانا ہے۔ پلیز' مجھے وہاں پہنچا دیں۔" وہ روتے ہوئے فریاد کرنے لگی۔

شاہ میر نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا' مگر مچھ کے آنسو تو نہیں دکھ رہے تھے۔ لہجے میں بناوٹ بھی ہرگز نہیں تھی۔ وہ تذبذب میں پڑ گیا۔

"دیکھو' دارالامان میں ہر لڑکی نہیں رہ سکتی اور تم تو بہت معصوم لگ رہی ہو' کیوں ان چکروں میں پڑ رہی ہو' تم مجھے پتا بتاؤ' میں واپس تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آتا ہوں۔"

"نہیں..... نہیں' خدا کے لیے نہیں۔ اب تو..... اب تو اماں مجھے جان سے مار دے گی۔" وہ خوف سے چیخ اٹھی تھی اور شاہ میر کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"تو کہاں جاؤ گی' اب تو ویسے بھی رات ہونے والی ہے۔" شاہ میر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"مجھے کسی ایسی جگہ جانا ہے جہاں میں بے خوف و خطر عزت سے جی سکوں' پاکیزگی کے ساتھ۔"

کتنی چھوٹی سی' پر کتنی مشکل خواہش ظاہر کر رہی تھی وہ..... شاہ میر حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔ رات کو تنہا گھر سے بھاگی لڑکی عزت کی متلاشی تھی۔ معاً شاہ میر کو کچھ خیال آیا تھا۔

"اٹھو' گاڑی میں بیٹھو۔" شاہ میر کرتا ہاتھ سے صاف کرتا ہوا اٹھا اور اسے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"آپ کی گاڑی میں؟" کشمائن کو جیسے اب ہوش آیا تھا اس لیے نہایت حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں' جلدی کرو' دیر ہو رہی ہے۔" شاہ میر نے سنجیدگی سے جواب دیتے ہوئے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔

"شاید خدا نے میرے لیے کوئی فرشتہ بھیجا ہو۔" وہ حیرت سے اسے تکتی رہی اور پھر ڈرتے ڈرتے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

وہ بہت تیزی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ کشمائن مسلسل آنسو بہا رہی تھی۔ شاہ میر نے ایک دو بار بیک مرر سے اس کو دیکھا پر کہا کچھ نہیں۔ حویلی پہنچ کر اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا

تو کشمائن ڈرتے ڈرتے باہر نکل آئی۔

''اماں جی!'' وہ اسے ایک خوب صورت کمرے میں لے آیا تھا اور تخت پر بیٹھیں نفیس سی عورت سے مخاطب ہوا تھا۔

''ہاں شاہ میر' یہ کون ہے؟'' وہ ازحد حیران تھیں۔

''آپ نے کچھ دن پہلے بتایا تھا کہ بی جان کی دیکھ بھال کے لیے کسی پڑھی لکھی لڑکی کی ضرورت ہے۔ یہ بے چاری مظلوم ہے۔ اسے اس کام کے لیے رکھ لیں۔ اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔'' نہایت سخت اور نپے تلے انداز سے شاہ میر نے اس کا تعارف اور آنے کی وجہ ماں کو بتائی تھی اور نگاہ اس پر ڈال کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اماں جی اب کشمائن کو بہت غور سے دیکھ رہی تھیں۔ ''بیٹھو۔'' انہوں نے اشارہ کیا تو وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

''ہاں' اب بتاؤ' کیا کہانی ہے تمہاری؟'' انہوں نے بہت ہمدردی سے پوچھا تھا۔ کشمائن کی آنکھیں ایک بار پھر بھر آئیں۔

☆.....☆

وقت اور حالات انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ انجانے لوگ' انجان جگہ پر وہ وہاں ایسے ایڈجسٹ ہوگئی تھی جیسے کب سے اس حویلی میں بی جان کی خدمت پر مامور ہو۔ ایک ہفتہ کہنے کو تو سات دن تھے لیکن سات دن تو اسے پوری حویلی' دسیوں نوکرانیاں' ملازمین اور پائیں باغ دیکھنے میں لگ گئے تھے۔ بی جان اتنی اچھی تھیں کہ ان کی خدمت اسے بہت اچھی لگی۔ اپنی نرم و سخت طبیعت رکھتے ہوئے اسے دل و جان سے پسند آ گئی تھیں اور طارم' وہ تو خیر' ایک نظر ڈالنے کے علاوہ مزید کوئی بات ہی نہیں کرتی تھی۔ اگر وہ کسی کو جان نہیں سکی تھی تو وہ تھا شاہ میر' جسے اس نے پہلی رات اس حویلی میں دیکھا تھا اور شاید وہ رات کو ہی حویلی میں موجود ہوتا تھا۔ وہ کوارٹر میں بے بے (نوکرانی) کے پاس شفٹ ہوگئی تھی اور رات کو جلدی ہی سو جاتی تھی' سو اس رات کے بعد شاہ میر سے سامنا ہی نہ ہوا تھا اور اسے خواہش بھی نہیں ہوئی تھی۔

''کشمائن! بی جان کہہ رہی ہیں' جلدی سوپ لے کر آؤ' انہیں بھوک لگ رہی ہے۔''؟ شنو نے اسے سوپ کا پیالہ اٹھاتے ہوئے دیکھ کر کہا تو وہ مسکرا دی۔

''جا رہی ہوں..... بی جان کو کچھ زیادہ ہی بھوک نہیں لگ رہی۔'' اس نے مذاقاً شنو سے کہا اور ہنستی ہوئی شنو کو چھوڑ کر بی جان کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ اسی کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ سوپ کا پیالہ لے کر ان کے گھٹنوں کے پاس بیٹھ گئی۔

''اتنی دیر کیوں لگا دی؟'' بی جان نے اس کا معصوم چہرہ چھو کر پیار سے پوچھا۔

''بڑی بی بی کو چائے بنا کر دے آئی ہوں اس لیے کچھ دیر ہوگئی۔ آپ جلدی سے یہ سوپ پی لیں' دوا کا وقت ہونے والا ہے۔''

''کیا ہر وقت دوا دوا کرتی رہتی ہے' میں تو اتنا اکتا جاتی ہوں اس ٹائم ٹیبل سے' تو نہیں اکتائی ابھی تک؟''

''او بی جان!'' وہ ہنستی چلی گئی۔ ''یہاں تو ہر قدم پر ہر کام نیا نیا سا لگتا ہے۔ میں وہاں روز کی ڈانٹ ڈپٹ سے نہیں اکتاتی تھی۔ یہاں تو پھر ہر کام پیار سے کروایا جاتا ہے۔'' وہ اماں اور گھر کا سوچتی ہوئی افسردہ سی ہو کر بیٹھ گئی۔

وہ ہر روز ہر فارغ وقت میں دوبارہ گھر پہنچ جاتی تھی جہاں اسے تخیل میں اس کے بھاگنے پر اماں بال بکھرائے صحن میں بیٹھی سینہ پیٹتی ماتم کناں نظر آتی۔ اسے بددعائیں دے رہی ہوتی۔ وہ لرز اٹھتی' کانپ اٹھتی اور خدا کے حضور سربہ سجود ہو کر گڑگڑا کر معافیاں مانگتی۔ ''اے خدا! مجھے معاف کر دے۔ میں نے ماں کو رسوا کیا ہے' مجھے اس کی بددعاؤں کے اثر سے بچا۔'' وہ روتی رہتی اور وقت گزرتا رہتا۔

☆.....☆

سورج طلوع ہونے کا منظر حویلی کی پرشکوہ عمارت کے پس منظر میں اتنا خوب صورت' اتنا دلکش ہوتا تھا کہ وہ کوارٹر کی کھڑکی میں کھڑی مبہوت ہو کر آسمان کی طرف دیکھتی رہتی۔ دلکش رنگوں کی کرنیں پوری دنیا کو اپنے احاطے میں لے لیتیں اور پھر وہ مسکراتی ہوئی لان میں آ جاتی۔ نیلے ٹائلز سے بنا شفاف پانی کا حوض' اس میں گرے املتاس کے زرد پھول اسے اپنے خواب کی تعبیر لگا کرتے تھے۔ وہ آہستگی سے پانی کے پاس چلی آتی پر پاؤں پانی میں لٹکا کر نہیں بیٹھتی۔ کچھ دیر پانی کے پاس بیٹھ کر درود شریف کا ورد کرتی اور پھر اندر آ کر بی جان کے ناشتے میں مصروف ہو جاتی۔

آج اتوار تھا اور حیرت کی بات تھی کہ بی جان بھی چھٹی منا رہی تھیں حالانکہ یہاں تو ہر روز ہی سن ڈے ہوتا تھا۔ وہ دس بجے کے قریب کچن میں آئی تھی اور بی جان کے لیے چائے بنانے لگی۔

''کشمائن! ذرا شاہ میر کو اٹھاؤ' ناشتا کر لے گا' آج بہت دیر ہوگئی ہے۔'' اماں جی کی بات پر وہ کچھ خجل سی ہوگئی۔

''مم..... میں اٹھاؤں؟''

''ہاں' جلدی سے بلا لاؤ' طارم بھی بس ڈائننگ ہال میں پہنچنے والی ہے۔''

''اچھا.....'' وہ ادب سے گردن جھکا کر شاہ میر کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

آج کئی مہینے بعد وہ اس کا سامنا کرنے جا رہی تھی۔ جانے کیوں دل کی رفتار تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا۔ کمرے میں بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ویل ڈیکوریٹڈ کمرہ' سفید پردے' دیواروں پر اتنی خوب صورت پینٹنگز سجی تھیں کہ وہ مبہوت رہ گئی اور ایک تصویر نے تو جیسے اس کے ہوش ہی اڑا دیے۔ کیا کوئی مرد اتنا حسین بھی ہوتا ہے۔ وہ کوئی پینٹنگ نہیں' شاہ میر کی تصویر تھی جس میں وہ کھل کر مسکرا رہا تھا۔ وہ کچھ دیر بعد خود ہی ہوش میں آئی۔ خود کو ڈپٹا اور ڈرتے ڈرتے قدم آگے بڑھا دیے۔

''بڑی بی بی بلا رہی ہیں آپ کو۔'' اس نے بیڈ کے قریب آ کر پرسکون سے انداز میں سوئے شاہ میر کو ایسے آہستگی سے کہا جیسے وہ جاگ رہا ہو پر وہ سویا رہا۔

'کیا کروں.....' اس نے ادھر ادھر گردن گھما ڈالی اور پھر بیڈ کراؤن پر رکھا شیشے کا گلاس اٹھایا اور واپس کچھ زوردار آواز سے رکھ دیا۔ ''آپ کو بڑی بی بی بلا رہی ہیں۔'' شاہ میر کے نگاہیں کھولتے ہی اس نے کہا اور تیزی سے واپس مڑ گئی۔

آواز انجانی سی تھی۔ کسی بھی ملازمہ سے نہیں ملتی تھی۔ شکل وہ ٹھیک طرح سے دیکھ نہیں پایا تھا اس لیے فوراً ہی پکار لیا۔ ''سنو.....!''

''جی.....!'' وہ آہستگی سے مڑی اور نگاہیں جھکا لیں۔

''او..... تو یہ تم ہو۔'' وہ ازحد حیران ہوا تھا۔ اتنی جلدی اتنی اچھی ایڈجسٹمنٹ۔ ''دل لگ گیا حویلی میں' اب تو عزت کو کوئی خطرہ نہیں ہے؟'' وہ مسکراتا ہوا سرسری سے انداز سے پوچھنے لگا۔

''نہیں' نہیں ہے۔'' وہ خجل سی ہو کر مڑی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ شاہ میر ہنستا ہوا باتھ روم میں گھس گیا۔ اماں جی ویسے بھی اس قسم کی لڑکیوں کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ ان کے بارے میں سوچ کر ہی تو وہ اسے یہاں لے آیا تھا۔ وہ فریش ہو کر ڈائننگ ہال میں آ گیا۔

''واہ' آج تو طارم میڈم پہلے سے موجود ہیں۔'' وہ طارم کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''یہ کہو کہ تم سب کے ساتھ موجود ہو۔'' طارم نے مسکراتے ہوئے اسے چائے کا کپ پکڑا دیا۔

''میر' یہ لڑکی بڑی اچھی ہے' بے چاری خوب دل لگا کر بی جان کی خدمت کر رہی ہے۔'' اماں

جی نے خود ہی کشمائن کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔
''چلیں' اچھا ہی ہوا' کسی مظلوم کو پناہ مل گئی اور بی جان مدر ٹریسا بن گئیں۔'' وہ شوخی سے بات ختم کر کے ہنسا اور طارم تو ہنستی ہی چلی گئی۔
''تمہیں تو مذاق ہی سوجھا رہتا ہے۔'' بی جان مسکرا دیں۔
''جب خود جناب کا موڈ اچھا ہو تو۔'' طارم نے اسے فوراً جتا دیا تھا۔
''چلو' مان لیتے ہیں۔'' وہ گردن ہلاتا ہوا توس پر مکھن لگانے لگا۔
''میر' مجھے مارکیٹ جانا ہے' کچھ شاپنگ کرنی ہے' وہ مایا ہے نا' میری فرینڈ' اس کی شادی ہے۔'' طارم نے فوراً ہی خواہش ظاہر کر دی تھی۔
''طارم.....! فرائی ڈے کو میں بالکل فارغ ہوں' پھر چلیں گے۔''
''پر میر' فرائی ڈے کو شنو اپنے گھر جا رہی ہے' میں کس کو ساتھ لے کر جاؤں گی؟'' طارم نے اپنی مخصوص نوکرانی کا ذکر کیا جسے وہ ہر جگہ اپنے ساتھ ساتھ رکھتی تھی۔
''بھئی' کسی اور کو لے جانا' کوئی تھوڑی فوج ہے۔'' وہ لاپروائی سے بولا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اچھا اماں جی! مجھے دیر ہو رہی ہے' شہر میں آج کافی کام ہے۔'' وہ اماں جی کے سر کو پیار سے چھوتا ہوا ڈائننگ ہال سے نکل گیا جبکہ طارم منہ بناتے ہوئے دروازے کو تکتی ہی رہ گئی۔

☆.....☆

''سارا دن کام میں لگی رہتی ہے' کچھ خیال کیا کر اپنا' تجھے ادھر بی جان کی خدمت کے لیے رکھا ہے۔ یہ دوسرے کاموں میں کیوں ٹانگ اڑاتی رہتی ہے؟'' دن کا سالن تیار کرتی بے بے اس کو آٹا گوندھتا دیکھ کر خفگی سے ڈانٹ رہی تھیں۔
''بے بے' کام کرنے سے کوئی گھس تو نہیں جاتا۔'' وہ مسکرا کر بولی۔
''بیمار پڑ جائے گی۔''
''بی جان کی دوائیوں میں سے کوئی دوا کھا لوں گی۔'' وہ مذاق پر اتر آئی۔
''تجھے پتا نہیں ہے' میں تجھ سے کتنا پیار کرنے لگ گئی ہوں۔'' بوڑھی بے بے کے چہرے پر محبت نظر آنے لگی۔
اس نے حیرت سے انہیں دیکھا اور پاس بیٹھتی آئی۔ ''میں بھی بے بے! تجھ سے بہت پیار کرنے لگ گئی ہوں بلکہ مجھے تو اس حویلی کی ہر ہر چیز سے پیار ہو گیا ہے۔'' وہ جذباتی سی ہو کر ہنس دی۔
''کشمائن! تمہیں طارم بی بی بلا رہی ہیں' جلدی سے جاؤ۔'' نوراں نے آ کر سرعت سے کہا اور فریج سے پانی کی بوتل نکال کر واپس چلی گئی۔ اس نے حیرت سے بے بے کو دیکھا۔
''جا' کوئی کام ہو گا۔'' بے بے مسکرا دی۔
''اچھا.....'' وہ اثبات میں گردن ہلا کر ہاتھ دھو کر طارم کے کمرے میں چلی آئی اور اس کی تیاری دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔ بلیک سوٹ میں اس کی صبیح رنگت کھلی پڑ رہی تھی.....
''کشمائن! تم تیار ہو جاؤ' میرے ساتھ مارکیٹ جانا ہے۔ جلدی کرو' میر ابھی بلانے ہی والا ہے۔'' شنو کے بعد طارم کو وہ ہی اس قابل لگی تھی کہ اسے اپنے ساتھ لے جایا جائے۔
''جی.....بی بی.....!'' وہ ہکلا اٹھی۔
''یہ سوٹ پڑا ہے' یہ چینج کر کے گیراج میں پہنچو' میں اور میر آتے ہی ہیں۔'' طارم نے بات ختم کی اور جیولری پہننے لگی۔ کشمائن نے آہستگی سے بیڈ پر پڑا طارم کا ایک بار کا پہنا سوٹ اٹھایا جو وہ اب اسے دے چکی تھی اور اس کے کمرے سے نکل گئی۔
'اگر مجھے انور یا پھر کوئی دوسرا رشتے دار نظر آ گیا تو پھر.....وہ لوگ مجھے واپس لے گئے تو پھر.....' وہ سوٹ چینج کر کے ان دونوں سے پہلے ہی گیراج میں آ کھڑی ہوئی تھی اور گاڑی سے ٹیک لگا کر سوچوں کی دلدل میں پھنس کر رہ گئی۔

بے بسی کی انتہا لگ رہی تھی۔ وہ نگاہیں جھکا کر آنسو بہانے لگی۔
وائٹ شیفون کا نہایت نفیس سوٹ بتا رہا تھا کہ یہ طارم ہے۔
''طارم! اکیلے.....'' شاہ میر گیراج میں پہنچ کر حیرت سے بولتا بولتا رک گیا۔ کشمائن سر جھکائے کھڑی اس کی آمد سے ابھی تک بے خبر تھی۔ ''کیا ہوا تمہیں.....؟'' ایک گہری نگاہ ڈال کر شاہ میر نے سنجیدگی سے پوچھا۔
''مجھے.....کچھ بھی نہیں۔'' گمبھیر آواز پر وہ بوکھلا گئی۔
''پھر رو کیوں رہی تھیں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔
''اگر میرے گھر والوں میں سے کسی نے مجھے دیکھ لیا تو.....'' اس کے لہجے میں خوف ہی خوف تھا۔
''او گاڈ! لڑکی.....!'' وہ بے اختیار ہنس دیا۔ ''شاہ میر کے ہوتے ہوئے کسی کی جرأت نہیں ہے کہ تم سے کوئی بات کرے۔'' وہ بہت سنجیدگی اور سرد سے انداز و لہجے میں کہہ رہا تھا۔
کشمائن حیرت سے اس مسیحا انسان کو دیکھتی رہی۔
''کیا ہو رہا ہے؟'' طارم آئی تو ان دونوں کو یوں آمنے سامنے دیکھ کر حیرت سے بولی۔
''میڈم کو خوف لاحق ہے کہ کہیں گھر والے واپس نہ لے جائیں۔'' میر مسکرا کر بولا۔
''عجیب ڈفر لڑکی ہو۔ بیٹھو گاڑی میں' دیر ہو رہی ہے۔'' طارم نے سرسری سے انداز میں کہا اور پیچھے کی طرف اشارہ کر کے خود آگے شاہ میر کے ساتھ بیٹھ گئی۔ شاہ میر نے طارم سے کوئی بات کرتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔ گاڑی اپنے سفر پر رواں دواں تھی۔ کشمائن کے چہرے پر ابھی بھی خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔ شاہ میر نے ایک دو بار بیک مرر سے اس کو بے چینی سے دیکھا پر بولا کچھ نہیں اور طارم سے بات چیت میں مصروف ہو گیا۔ آج بھی وہ ہر بار کی طرح طارم کی ہر بات' ہر پسند کا خیال رکھ رہا تھا۔ وہ شاپرز ہاتھ میں تھامے مٹی کے بت کی طرح ان دونوں کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ شاپنگ سے فارغ ہو کر وہ لوگ ایک بک اسٹور پر چلے آئے تھے۔ شاید آج سارا دن گھومنے کا پلان تھا۔ وہ تھک سی گئی تھی پر وہاں اتنی ساری بکس دیکھ کر توانائی سی جسم میں دوڑ گئی۔ رسالوں میں پڑھے ہوئے اقتباسات اور وہ بکس جن کو خریدنے کی خواہش میں وہ پاگل سی ہو جاتی تھی' سب ذہن میں گھوم گئیں۔ طارم اور شاہ میر انگلش بکس کی رو کی طرف بڑھ گئے جبکہ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی اردو بکس کی رو کی طرف آ گئی۔ اشفاق احمد کی ''زاویہ'' بانو قدسیہ کی ''راجا گدھ'' خلیل جبران کی ''شہ رگ'' جاوید چوہدری کی ''زیرو پوائنٹ'' وہ ڈھیر ساری کتابوں پر نظر دوڑاتے ہوئے مطلوبہ بکس ڈھونڈنے لگی۔ اسے لمبی قطار میں ''راجا گدھ'' اور پروین شاکر کی ''خوشبو'' نظر آئی تھی۔ یہ اتنی پرانی کتابیں اس کے لیے اتنی نئی تھیں کہ جیسے ابھی ابھی پبلش ہوئی ہوں۔ وہ مچل کر انہیں ہاتھ میں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی۔ طارم کے ساتھ ساتھ بکس دیکھتے دیکھتے شاہ میر نے معاً مڑ کر دیکھا اور حیرت سے اسے تکتا رہ گیا۔ وہ کسی بچے کی طرح آنکھوں میں حسرت لیے ان کتابوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔ طارم کو خبر ہی نہ ہوئی۔
''کتابیں پڑھتی ہو تم؟'' اس کے اچانک سوال پر وہ بری طرح بوکھلا گئی۔
''جی ہاں.....! نہیں۔'' وہ نگاہیں جھکا کر کھڑی ہو گئی۔
''میر.....! اب چلیں' میں نے یہ بکس لی ہیں۔'' شاہ میر کے مزید کسی سوال سے پہلے ہی طارم نے آ کر کہا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔
''تم لوگ چلو' میں آتا ہوں۔''

اس کے کہنے پر اس نے بجھے دل کے ساتھ ہاتھ میں پکڑی بکس واپس رکھیں اور طارم کے ساتھ چلتی ہوئی باہر آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ طارم بیٹھتے ہی بکس کے اوراق پلٹنے لگی تھی۔

"یہ لو..... یہی دو بکس تھیں نا' تمہارے ہاتھ میں؟" تھوڑی ہی دیر میں شاہ میر نے اس کی گود میں دو کتابیں رکھی تھیں اور کشمائن کے ساتھ ساتھ طارم نے بھی حیران ہو کر اسے دیکھا تھا حالانکہ شاہ میر اسی طرح دیگر ملازمین کی ضروریات و پسند کا خیال بھی رکھتا تھا پھر بھی طارم کو کشمائن کا اس طرح سے خیال رکھنا کچھ عجیب لگا۔

"جی' یہ ہی تھیں۔" وہ بے اختیار خوش ہو گئی تھی۔ دوسروں کے چہروں پر مسکراہٹیں بکھیر کر وہ یونہی پرسکون ہو جایا کرتا تھا جیسے اس وقت ہو گیا تھا۔

"دیر ہو رہی ہے میر! جلدی کرو' خالہ جان پریشان ہو رہی ہوں گی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی طارم اپنا لہجہ نارمل نہیں رکھ سکی تھی۔ کچھ چبھن سی اتر آئی تھی۔

"او واقعی یار!" میر سنجیدگی سے بولا اور گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆.....☆

کچھ خواب حقیقت بن کر ایسے ہماری زندگی کا حصہ بنتے ہیں کہ ہمیں یقین ہی نہیں آتا۔ خواب ہو یا حقیقت..... ہم تو حیرت زدہ سے ہو کر بس دیکھتے ہی رہتے ہیں جیسے اس وقت وہ بے بے سے اجازت لے کر پروین شاکر کی "خوشبو" ہاتھ میں لیے لان میں آئی تو چودھویں رات میں حوض کے پانی کا نیلا رنگ اور اس میں چاند کا عکس دیکھ کر حیرت زدہ سی ہو گئی۔ دودھیا روشنی پرسکون ٹھنڈی ہوا..... ہوا کے ایک تیز جھونکے نے کتنے ہی املتاس کے پیلے پھول پانی کی سطح پر گرا دیئے۔ اس نے آہستگی سے اپنے نازک پاؤں پانی کے اندر اتارے اور بک کھول لی۔ پر پڑھا کچھ نہیں جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اماں یا مشی ابھی نیند سے جگا دیں گی۔ اچانک ٹھنڈے پانی کی ٹھنڈک کو اس نے پیروں کے تلوؤں پر محسوس کیا تو بے اختیار ہنس دی جیسے کسی نے گدگدا دیا ہو..... کچھ پل اتنے خاص' اتنے پیارے ہوتے ہیں کہ ان کے حصار میں گم انسان کو ہر شے خاص نظر آتی ہے..... وہ اکثر رات کو تنہائی میں بیڈروم کی کھڑکی میں کھڑا ہو کر چاندنی کی چودھویں راتوں کو کچھ دیر انجوائے کیا کرتا تھا۔ سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر اس نے کھڑکی کھولی اور لان میں نگاہیں جما دیں۔ تاحد نظر سرسبز گھاس' رنگ برنگے پھول' چاند کی چاندنی' کچھ جلتے لیمپس اور حوض کے پاس بیٹھا نسوانی پیکر..... وہ مبہوت سا رہ گیا۔ وائٹ شیفون کا سوٹ' لاپروائی سے کندھوں پر پھیلا باریک دوپٹہ' ہنستے ہوئے اس کے دائیں گال میں گہرا ڈمپل پڑ رہا تھا۔ شاہ میر کو وہ لڑکی خوب صورتی و معصومیت کا پیکر لگ رہی تھی۔ وہ عام سی کشمائن جسے وہ شہر سے لایا تھا' وہ تو نہیں لگ رہی تھی۔ وہ بے حس و حرکت کھڑا دیکھتا رہا..... چاند آہستہ آہستہ اپنی منزل طے کرتا رہا۔

☆.....☆

"بی بی جی' یہ جو کشمائن ہے نا' یہ حویلی میں آج کل ایسے گھومتی پھرتی ہے جیسے اس کی اپنی حویلی ہو یہ۔" شنو کے لہجے میں کشمائن کے لیے واضح حسد تھا۔ آج کل ہر کوئی شنو پر کشمائن کو اہمیت دے رہا تھا۔

طارم نے چونک کر اسے دیکھا۔ "وہ ایک نوکرانی ہے' غلام ہے' کیا میں اس کی فکر میں لگ جاؤں.....؟" طارم کو اپنی سخت توہین محسوس ہوئی تھی۔

"تو تمہیں کیا تکلیف ہے' تم اپنے کام سے کام رکھا کرو اور آئندہ مجھ سے اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا۔" دوسرے ہی پل طارم نے شنو کو سخت الفاظ میں ڈانٹ دیا۔

"بی بی جی! آپ کی فرینڈ آئی ہیں' میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔" تھوڑی ہی دیر میں کشمائن نے دروازے سے اندر جھانک کر کہا تھا۔ پلو کاٹن کے سمپل سوٹ میں وہ کافی نکھری نکھری لگ رہی تھی۔

"ہاں' میں آتی ہوں۔" طارم نے گہری نگاہ اس پر ڈالی اور پھر باتھ روم میں گھس گئی۔

طارم کی فرینڈ شہر سے آئی تھی۔ کچن میں اس نے نوراں اور شنو دونوں کے ساتھ مل کر کافی کھانا بنوایا تھا۔ وہ شام کو واپس گئی تھی' اس نے کچن صاف کیا اور بی جان کو آخری وقت کی دوا دے کر بستر پر لٹایا اور دبانے بیٹھ گئی۔

"میں دیکھ رہی ہوں' تو کچھ زیادہ ہی کام کرنے لگی ہے۔" بی جان کے لہجے میں اس کے لیے پیار تھا' فکر تھی۔

"نہیں تو....." وہ ہنس دی۔

"خیال رکھا کر اپنا' تو ٹھیک نہیں ہو گی تو میں کیسے رہوں گی؟"

"جب تک اس حویلی میں ہوں' آپ کو کچھ نہیں ہونے دوں گی۔" اس نے اعتماد سے کہا اور سر جھکا لیا۔

"تو' تو اب اس حویلی میں ہی رہے گی میرے پاس۔ میں تجھے کبھی جانے ہی نہیں دوں گی۔" بی جان کے لہجے میں استحقاق تھا۔ وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔

"بی جان! آپ بہت اچھی ہیں۔" اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"ادھر آ میرے پاس۔" بی جان نے پیار سے اس کا بازو اپنی طرف کھینچا تو وہ بے اختیار سی ہو کر ان کے کندھے سے لگ گئی۔ "اچھے بچے روتے نہیں ہیں۔ شاباش' جلدی سے اپنے کمرے میں جا کر سو جا اور اگر وہاں ڈھنگ سے نیند نہیں آتی تو ادھر میرے کمرے میں شفٹ ہو جا۔"

"نہیں' بے بے کے ساتھ تو خوب مزے کی نیند آتی ہے۔" اس نے پیار سے کی گئی پیشکش فوراً مسترد کر دی اور ان کا شکریہ ادا کر کے اٹھ کر اپنے کوارٹر میں چلی آئی لیکن نیند آنکھوں سے جانے کتنی دور تھی۔ اس نے بکس اٹھائیں اور باہر لان میں چلی آئی۔ کل کی طرح اس نے حوض کے پانی میں پاؤں لٹکائے اور "خوشبو" پاس رکھ کر "راجہ گدھ" کا مطالعہ شروع کر دیا۔

اپنی نگاہوں کی وارفتگی اور دل کے احساسات پر اس نے کوئی پورے دن میں آج خود کو سو بار ڈپٹ ڈالا تھا۔ اسے اپنے ہی اوپر غصہ آیا تھا۔ وہ رات کو دیر سے گھر آنے کا عادی تھا۔ کھانا بھی عموماً کھا کر ہی آتا تھا اس لیے اماں جی انتظار کر کر کے اکثر ہی سو جایا کرتی تھیں۔ وہ رات کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے حویلی میں داخل ہوا تھا۔ لان سے گزرتے ہوئے بے ساختہ اس کی نظر اس پر پڑی تھی اور وہ ایک بار پھر ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ اپنی ہی دنیا میں گم تھی۔ زرد رنگ سوٹ' پنک و زرد پرنٹڈ دوپٹہ' ٹھنڈا حسن' پرفسوں ماحول' وہ بے خودی کے عالم میں اس کے قریب چلا آیا۔

"یہ کون سا وقت ہے پڑھنے کا؟"

کچھ لمحوں میں وہ خود کو سنبھال چکا تھا اور اس کے جملے نے تو جیسے کشمائن کو کرنٹ لگا دیا تھا۔ وہ بوکھلا کر کنفیوژ سے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ دوپٹے کے گیلے پلوؤں نے ہوا کے ساتھ اڑ کر کتنے ہی ٹھنڈے چھینٹے شاہ میر کے چہرے پر ڈالے تھے۔

"میں..... وہ اس وقت فارغ تھی نا۔" وہ بے ربطگی سے کہہ گئی۔

"اچھا' تو لان میں....."

"مجھے اچھا لگتا ہے ایسے بیٹھنا۔" اب کی بار اس نے خود اعتمادی سے شاہ میر کی ادھوری بات مکمل کر دی تھی۔

"اچھا....." وہ لمبی سانس لے کر مسکرا دیا۔ "تو پھر بیٹھو۔" گمبھیر سے لہجے میں کہہ کر وہ کچھ دور چیئر

پر بیٹھ گیا۔ ''وہاں نہیں' یہاں۔''

وہ دوبارہ حوض کی طرف مڑی تو شاہ میر نے تیز آواز سے اسے روک دیا اور اپنے سامنے والی چیئر کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ حیرت زدہ سی ہو کر اسے دیکھنے لگی اور پھر ڈرتے ڈرتے آ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی اور ہاتھ میں پکڑی بک ٹیبل پر رکھ دی۔

''کتنا پڑھا ہے تم نے؟ آئی مین' کیا کوالیفکیشن ہے تمہاری؟'' ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈال کر شاہ میر نے دوستانہ انداز سے پوچھا۔

''میں نے ایف۔ اے کیا ہے فرسٹ ڈویژن سے اور پیپرز کے بعد تو میں نے بی۔ اے کی تیاری بھی شروع کر دی تھی۔'' وہ بہت خوشی سے بتاتی بتاتی آخر میں افسردہ ہو گئی۔

''بہت شوق ہے پڑھنے کا؟''

''بہت زیادہ۔'' وہ جذباتی سی ہو گئی۔

''چلو کرتے ہیں کچھ اس بارے میں۔''

''واقعی.....!'' شاہ میر کے جملے پر اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

''اچھا یہ بتاؤ' ادب میں کس کس کو پڑھا ہے تم نے؟''

''میں نے کتاب تو پہلی بار کسی کی ہاتھ میں اٹھائی ہے۔ گھر میں تو رسالوں وغیرہ میں اقتباسات پڑھ لیا کرتی تھی۔''

''خلیل جبران کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''خلیل جبران' ان کی تو کیا بات ہے۔ مجھے لگتا ہے' ان کا ہر قول' ہر لفظ سب سے منفرد ہوتا ہے' اسپیشلی وہ محبت کو بہت.....'' جذبات کی رو میں کہتے کہتے معاً اسے خیال آیا تھا اور وہ شاہ میر کو خوف زدہ سی نظروں سے دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

''کیا محبت کو؟'' وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

''انہوں نے بہت اچھے لفظوں میں بیان کیا ہے۔''

''کن لفظوں میں؟'' دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ پھنس چکی تھی۔ ''بتاؤ نا۔''

''وہ کہتے ہیں' محبت کے بغیر ہر عمل کھوکھلا ہے' زندگی تاریک ہے' علم بے کار ہے اور جب آپ محبت کے ساتھ عمل کرتے ہو تو خود اپنے آپ سے' دوسروں سے اور خدا سے تعلق باندھ لیتے ہو۔'' وہ باقی سب کچھ بھول گئی تھی' بس اتنا ہی یاد رہا تھا۔

اس نازک سی لڑکی کے نرم سے لہجے پر اس نے بالکل غور نہیں کیا تھا بلکہ وہ صرف حیرت زدہ سا ہو کر اسے دیکھتا رہا تھا۔

''یہ تو محبت کی اہمیت ہوئی نا' تمہاری نظر میں محبت ہے کیا؟ مختصر ترین لفظوں میں بتاؤ۔''

''محبت کیا ہے؟'' وہ بے ساختہ مسکرائی۔

''دلفریب خوشبو!'' اس نے مسکرا کر جواب دیا اور وہ بے اختیار ہنس دیا۔

''یو مین طارم.....'' وہ ہنستا ہی چلا گیا۔

''طارم کا مطلب خوشبو ہوتا ہے۔'' وہ حیران ہوئی۔

''ہاں' دلکش خوشبو۔''

''بہت پیارا نام ہے' بالکل ان ہی کی طرح۔'' وہ بے ساختہ بولی تھی۔

''کشمائن بھی بہت پیارا نام ہے۔'' جانے کیوں فوراً ہی شاہ میر نے اسے جتا دیا۔ وہ حیران سی ہو گئی اس انداز پر.....

شاہ میر نے یکبارگی نگاہیں جھکائیں' کچھ سوچا اور پھر تیزی سے اٹھ کر اندر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

رات ڈوب رہی تھی' سورج دنیا پر طلوع ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا اور وہ اس بیچ کے پہر میں بیٹھی لہجے کے اتار چڑھاؤ پر غور کر رہی تھی لیکن پھر تمام خیالات جھٹک کر اٹھی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆.....☆

''شنو..... شنو..... اکدھر دفع ہو گئی ہو؟'' طارم نے آج کچن میں جھانکا تھا' وہ اسے دیکھ کر حیران سی ہو گئی۔

''جی' وہ شنو بی جان کو دودھ دینے گئی ہے۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''کیوں' تم کیا کر رہی ہو؟'' طارم سخت غصے میں تھی۔

''وہ..... میں.....''

''چھوڑو' یہ بتاؤ' شاہ میر کہاں ہے؟ لان میں بیٹھا ہے یا چلا گیا؟''

''مجھے تو نہیں پتا.....'' اس نے کہا۔ اس رات کے بعد وہ جان بوجھ کر لان میں بھی نہیں آئی تھی اور شاہ میر کے سامنے بھی اور شاہ میر خود بھی اسے نظر انداز کر رہا تھا۔

''اچھا تو پھر دیکھ کر آؤ' وہ لان میں ہے یا نہیں؟'' طارم کے کہنے پر وہ بادل ناخواستہ کچن سے نکل گئی۔ ''وہ جی' لان میں ہی بیٹھے ہیں۔'' تھوڑی ہی دیر میں وہ واپس آ چکی تھی۔

طارم سرخ چہرے کے ساتھ چیئر پر بیٹھی تھی۔

''کیا کر رہا ہے؟''

''کچھ بھی نہیں.....''

''کس انداز سے بیٹھا ہے؟''

کشمائن اس خبطی لڑکی کو حیرت سے دیکھنے لگی۔

''کچھ پوچھا ہے میں نے؟''

''دونوں ہاتھوں سے سر تھاما ہوا ہے' نگاہیں جھکی ہیں' چہرہ افسردہ سا۔''

''ہوں' شنو بتا رہی تھی' اماں جی سے کوئی جھگڑا ہوا ہے' اس کے سر میں درد ہو گیا ہو گا۔''

طارم پریشانی سے کہہ کر پاگلوں کے سے انداز میں اٹھی اور چائے بنانے لگی۔

کشمائن ورطہ حیرت میں ڈوبی اسے دیکھے ہی جا رہی تھی لیکن پھر بول اٹھی۔ ''بی بی! میں بناتی ہوں چائے۔''

''نہیں ہٹو' میں خود بناؤں گی میر کے لیے چائے.....'' نہایت سختی سے طارم نے اسے روکا اور غصے سے گھورنے لگی۔

عشق کی تپش سے اس کا چہرہ اور آنکھیں سلگ رہی تھیں۔ اس لمحے کشمائن کو اس حسین ترین لڑکی سے شدید خوف محسوس ہوا تھا۔ وہ تیزی سے مڑی اور کچن سے باہر نکل گئی اور اس سے پہلے کہ وہ چائے بنا کر لان میں شاہ میر کے پاس آتی' وہ گاڑی میں بیٹھ کر جا چکا تھا۔ زمینوں پر جاتے ہوئے بھی وہ مسلسل مضطرب انداز سے اپنے بالوں میں انگلیاں چلا رہا تھا۔ اماں جی کی فرمائش تھی کہ وہ تین ماہ کے اندر اندر طارم سے شادی کر لے اور وہ کہہ رہا تھا کہ اسے کم از کم ایک سال تک شادی کرنے کی فرصت نہیں ہے۔ بات بڑھتی گئی اور لمبی بحث بن گئی۔ اماں جی منہ پھلا کر بیٹھ گئیں اور وہ منہ بنا کر باہر نکل آیا۔

شادی گڈے گڑیا کا کھیل تو نہیں..... طارم اچھی ہے' پر اسے شادی کے لیے پسند نہیں ہے' میں کیسے سمجھاؤں اماں جی کو؟ وہ حد درجہ پریشان تھا اور اسی پریشانی میں زمینوں پر اپنے ڈیرے میں چلا آیا۔

☆.....☆

''طارم بہت پسند کرتی ہے شاہ میر کو؟'' کشمائن نے بے بے کی گود میں سر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہاں' بہت زیادہ' دادی اور خالہ نے بچپن ہی سے اس کے دماغ میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ وہ صرف اسی کا ہے۔''

بے بے نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بتایا تو جانے کیوں دل کچھ عجب سا ہو گیا۔ وہ اٹھی اور اپنی چارپائی پر لیٹ گئی۔

''نیند آ رہی ہے؟''

''ہاں۔''

مختصر جواب دے کر اس نے کھیس منہ پر ڈال

لیا۔

ایسی بھی کیا بات ہوگئی تھی آج جو ابھی تک شاہ میر گھر نہیں لوٹا ہے..... نہایت مضطرب انداز میں طارم لان میں رات کے پچھلے پہر ٹہل رہی تھی۔ سرخ آنکھیں، بکھرے بال، وہ پریشان سا گھر سے نکلا تھا..... اور وہ فکر میں پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ جب سے شعور سنبھالا تھا، بس ایک ہی نام سنا تھا، شاہ میر، شاہ میر، شاہ میر، ایک ہی شخص ایسا تھا جس کے خواب دیکھے تھے، ایک ہی ہستی ایسی تھی جس کے نام وہ اپنا سب کچھ کر چکی تھی..... بن مانگے، بن سوچے..... ایک ہی ذات ایسی تھی جو ہر وقت اس کے پاس ہوتی تھی، موجودگی میں بھی، عدم موجودگی میں بھی۔

وہ ٹہلتی ٹہلتی تھک کر گھاس پر ہی بیٹھ گئی تبھی قدموں کی مخصوص آواز ابھری جسے وہ فوراً پہچان گئی۔ آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہ بے خبر اس کی طرف دیکھے بنا اندر کی طرف جا رہا تھا۔

"شاہ میر.....!" اس نے جلدی سے پکارا۔

وہ رکا اور اس کی طرف مڑ گیا۔ "طبیعت ٹھیک ہے؟ اتنی دیر سے کیوں آئے ہو؟" وہ بڑی مشکل سے اپنی حالت سنبھال پائی تھی۔

"ہاں، میں بالکل ٹھیک ہوں، پر تم کیوں اتنی رات کو ٹھنڈ میں کھڑی ہو، چلو اندر۔" شاہ میر خود پر قابو پا چکا تھا اس لیے بالکل نارمل سے انداز سے پوچھ رہا تھا۔

"خالہ جی نے کچھ سخت کہا ہے؟" وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"ہاں، حسب عادت۔" وہ شوخی سے کہہ کر ہنس دیا۔

"کھانا کھاؤ گے؟"

"آج کیا آپ مجھے بے ہوش کرنے والی ہیں؟" اس کے پوچھنے پر شاہ میر نے مصنوعی حیرت سے پوچھا اور طارم بے اختیار ہنس دی اور پھر وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئے۔

☆.....☆

سورج نکلتا ہے اور نیا دن شروع ہو جاتا ہے پھر غروب ہوتا ہے اور ایک دن ڈوب جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کی زندگی بھی ایسی ہی ہوتی ہے، ہر نئے دن کے ساتھ نیا جنم..... ہر لمحے کے ساتھ نئی سوچ..... ہر بات کے ساتھ نیا احساس.....

وہ ویکیوم ہاتھ میں تھامے ڈرتے ڈرتے شاہ میر کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ صوفے پر لیٹا اخبار پڑھ رہا تھا۔ "وہ، جی، وہ صفائی کرنی ہے۔" کشمائن کی آواز پر وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔ آج کوئی وہ دسویں دن اس کے سامنے آئی تھی۔

"کیوں، یہ تمہاری ذمے داری تو نہیں ہے، دوسری ملازمائیں کدھر ہیں؟" ویکیوم اس کے ہاتھ میں دیکھ کر جانے کیوں اسے غصہ آ گیا تھا۔

"جب حویلی میں مجھے کسی جگہ پر جانے میں کوئی پابندی نہیں ہے تو پھر کام میں کیسی پابندی؟" وہ اعتماد سے بولی تھی۔

"اچھا پھر آؤ، کر لو صفائی، کارپٹ بعد میں صاف کر لینا۔" وہ گہری نگاہوں سے اسے دیکھتا ہوا دوبارہ صوفے پر لیٹ گیا۔ کشمائن نظریں جھکا کر آئی اور بیڈ شیٹ درست کرنے لگی۔

شاہ میر نے اخبار سینے پر رکھتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ گندمی رنگت، کتابی چہرہ، سیاہ آنکھیں، پر کیا تھا اتنا خاص جو وہ اتنی وارفتگی سے دیکھے چلا جا رہا تھا۔

"یہ، یہ بک....." وہ بیڈ سائیڈ سے بک اٹھا کر نام پڑھتی ہوئی جذباتی سے انداز میں اس کی طرف متوجہ ہوئی پر اس کی نگاہیں دیکھ کر چونک گئی اور گھبرا کر نگاہیں جھکا لیں۔

"کیا بک.....؟" وہ نظریں چرا کر نارمل ہو گیا۔

"کچھ نہیں....." وہ بیڈ کراؤن صاف کرنے لگی۔

"امجد اسلام امجد کی ہے اور اس کی ایک نظم مجھے بے حد پسند ہے۔" وہ اٹھا اور آ کر بک ہاتھ میں لے کر کھڑا ہو گیا۔ "محبت خوشبو نہیں، جادو ہے، کہیں بھی، کچھ بھی کر دیتی ہے۔" گمبھیر سا لہجہ، پرتپش نگاہیں، کشمائن کی سانسیں رک گئیں۔ وہ بے جان سی ہو کر نگاہیں جھکا کر کھڑی ہو گئی جیسے حرکت کی تو ٹوٹ جائے گی۔

وہ آہستگی سے بڑبڑایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ کشمائن خوابوں کی دنیا میں رہنے والی معصوم سی لڑکی شاید پہلی بار خود کو حسین خواب دیکھنے سے اس وقت روک رہی تھی جب ان کی تعبیر بہت آسان لگ رہی تھی۔ اس نے گردن جھٹکی اور کام میں مصروف ہو گئی۔

☆.....☆

"بھئی، جلدی کرو طارم! دیر ہو رہی ہے، کتنی بار مسز شاہ کا فون آ چکا ہے۔"

"جی، بس میں جوتے پہن لوں۔" طارم نے جلدی سے کہا اور جوتوں کے اسٹریپس بند کرنے لگی۔ وہ خالہ جی کے ساتھ شہر شاہ صاحب کی بیٹی اور اپنی فرینڈ کی منگنی پر جا رہی تھی۔ "شنو! پرس اٹھا لاؤ۔" بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہوئی وہ شنو کو بولی اور روم سے باہر نکل گئی۔ ڈرائنگ روم میں پہنچی تو شاہ میر پہلے سے موجود تھا۔ بوتل گرین اینڈ سلور سلک کے سوٹ میں آرگنزا کے دوپٹے کے ساتھ وہ کوئی پری دکھ رہی تھی۔ ہلکا میک اپ اور کھلے بال، وہ شاہ میر کو دیکھ کر بلش ہو گئی۔ شاہ میر نے ایک سرسری نگاہ ڈالی اور مسکرا دیا۔

"بہت خوب، اچھی لگ رہی ہو۔"

"تھینک یو، چلیں خالہ جی!" اس نے بظاہر اس جملے کی پروا نہیں کی۔

"ہاں، بس وہ کشمائن آ جائے، بی جان کو دوا دینے گئی ہے۔"

"وہ بھی جا رہی ہے؟" طارم کی بجائے شنو نے چڑ کر پوچھا تھا۔

"ہاں، بے چاری گھر میں پڑی رہتی ہے، میں نے سوچا، اسے بھی لے چلوں۔" خالہ جی نے ہمدردی سے کہا تو طارم سنجیدگی سے صوفے پر بیٹھ گئی جبکہ شاہ میر پینٹ کی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالنے لگا لیکن اندر گیا ہاتھ اندر ہی رہ گیا تھا۔

"چلیں اماں جی!" کشمائن تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی تھی اور شاہ میر پر نظر پڑتے ہی اپنا دوپٹہ درست کرتے ہوئے نگاہیں جھکا لیں۔ بے بی پنک شیفون کا موتیوں کے کام والا وہ سوٹ جو پچھلے مہینے ہی وہ طارم کے لیے لایا تھا، سادہ سی چٹیا کیے شفاف سا چہرہ لیے وہ لڑکی کیوں دل میں اترتی جا رہی تھی..... وہ آنکھیں پھاڑے دیکھتا رہا۔

"ہاں، چلو۔" اماں جی فوراً صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ شنو اور کشمائن بھی دروازے کی طرف مڑ گئیں پر طارم حیرت سے بیٹھی سحر زدہ سے میر کو دیکھ رہی تھی۔ ان نگاہوں میں اس انداز میں کچھ اور ہو نہ ہو، پر وہ اتنا ضرور جانتی تھی کہ آج تک شاہ میر نے کبھی اسے اس انداز سے، ان نگاہوں سے نہیں دیکھا۔

"شاہ میر! چلیں؟" طارم ہنوز اسی کیفیت میں بولی۔

"ہاں..... ہاں.....!" وہ چونکا اور پھر اٹھ کر تیزی سے باہر نکل آیا۔ وہ اماں جی کے ساتھ اور شنو کے ساتھ پیچھے بیٹھی تھی جبکہ طارم آگے شاہ میر کے ساتھ بیٹھی تھی۔ شاہ میر بار بار بیک مرر درست کر رہا تھا۔ طارم نے بارہا مڑ کر دیکھا تھا۔ کشمائن مسلسل کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

☆.....☆

محبت اگر حسن سے ہو جانے والا جذبہ ہوتی تو شاید سب سے زیادہ زوال پذیر ہو جانے والا جذبہ ہوتی۔ اس کا تعلق نہ حسن سے ہے نہ دولت سے نہ عزت سے نہ شہرت سے۔ یہ لافانی سا جذبہ ہے

جو چپکے سے بس ہو جاتا ہے۔ یہ دل اور روح کا معاملہ ہوتی ہے اور محبت میں حسد محبت کو فانی بنا دیتا ہے۔ حسد کی راکھ سب کچھ مٹانے کے درپے ہو جاتی ہے۔

طارم مصطفیٰ کا معاملہ تو ویسے بھی محبت کا نہیں' عشق کا تھا۔ وہ ساری رات تڑپتی رہتی' کتنا چاہ تھی اسے ایک نظر کی..... کتنی تڑپ تھی اسے ایک جملے کی..... پر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ حقیر سی لڑکی کچھ نہیں بلکہ سب کچھ چھین لے گی۔

وہ صبح اذانوں کے وقت سوئی تھی اور نو بجے ہی اٹھ کر بیٹھ گئی جیسے کسی پریشانی نے جھنجوڑ کر اٹھا دیا ہو۔ وہ تیزی سے اٹھی اور باہر نکل کر بی جان کے کمرے میں آ گئی۔ وہ مسکراتے ہوئے بی جان کے سر میں تیل کی مالش کر رہی تھی۔

طارم نے اسے غور سے دیکھا۔ کچھ..... کچھ تو ہو' اس سے زیادہ نہ سہی' اس جیسا ہی..... پر عام..... نہایت عام سی تھی وہ لڑکی.....

طارم استہزائیہ سی مسکرا دی۔ حقارت بھری نگاہوں سے اسے گھورتی رہی اور پھر واپس پلٹ گئی۔ میں خود کو فضول میں ہلکان کر رہی ہوں..... وہ خود کو تسلیاں دینے لگی اور آ کر باہر لان میں دھوپ میں بیٹھ گئی۔

"طبیعت ٹھیک ہے طارم' آنکھیں کیوں سرخ ہیں؟" نئے پودے لگواتی اماں جی اس کی آنکھوں میں ہلکی سی سرخی دیکھ کر بے تحاشا پریشان تھیں۔ وہ بے ساختہ ہنس دی۔

"کچھ بھی نہیں خالہ جی' میں پاگل ہوں اور کچھ بھی نہیں۔"

انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر خود بھی ہنس دیں۔

☆.....☆

وہ جتنا بچ سکتی تھی' اتنا بچتی پھر رہی تھی شاہ میر کی نگاہوں سے' سوچوں سے' لفظوں سے' لیکن وہ محسوس کر رہی تھی کہ طارم کا رویہ پچھلے ایک ہفتے سے اس کے ساتھ کافی سرد و سخت ہو گیا ہے۔ طارم نے اسے دیئے ہوئے اپنے سارے نئے کپڑے واپس منگوا کر نوراں کو دے دیئے اور نوراں کے نہایت بوسیدہ کپڑے اس کو بھجوا دیئے تھے۔ نوراں صفائیاں کرتی تھی اور ہر وقت ذرا میلی میلی سی ہی رہتی تھی۔ اسے نہا کر اس کا موتیا کلر کا دھبوں دار سوٹ پہنا تو خود سے ہی گھن آ گئی۔ بے بے نے اسے تنقیدی نگاہوں سے دیکھا اور بولی۔ "بی جان کو کہہ کر نئے کپڑے بنوا لے' اس غلیظ کے کپڑے کیوں پہن لیے جو دھل کر بھی صاف نہیں لگ رہے۔"

"اچھا....." اس نے افسردگی سے اثبات میں سر ہلایا اور باہر نکل آئی۔ طارم کا بدلا رویہ اسے ہرگز سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ جانے کیوں خفا ہو گئی ہے مجھ سے؟ کیا کر دیا میں نے..... وہ انجانے خوف میں مبتلا تھی۔ بے بسی اتنی تھی کہ خود پر رونا آ گیا۔ یہ میرا مقدر اتنا سیاہ کیوں ہے..... آج پھر اتنے دنوں بعد وہ شکوہ کناں تھی۔ بالکونی کے فرش پر بنی سیڑھیوں پر پاؤں رکھ کر بیٹھ گئی۔ سر گھٹنوں پر رکھا اور حسب عادت آنسو بہانے لگی۔

شاہ میر کمرے میں پڑا پڑا اکتا کر باہر لان میں چلا آیا تھا۔ طارم اور اماں جی' بی جان کے کمرے میں ان سے گپ شپ لگا رہی تھیں۔ وہ آیا اور کرسی پر بیٹھ کر نگاہیں اطراف میں دوڑا دیں اور ٹھٹک گیا۔

محبت تو ازل سے ہے' تا ابد ہو گی
اسے میں عصر حاضر کا عقیدہ کہہ نہیں سکتا
کتاب زندگی میں ہے رقم باب محبت
مگر کتنی ہیں سطریں خط کشیدہ کہہ نہیں سکتا

وہ تیزی سے اٹھا اور بالکونی میں چلا آیا۔

"ایسے کیوں بیٹھی ہو؟" وہ اس کے پاس آ بیٹھا اور بے خودی کے عالم میں بولا۔ کشمائن نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"رو کیوں رہی ہو؟" وہ جیسے تڑپ اٹھا تھا۔

"میرے نصیب اتنے برے کیوں ہیں؟ میرے نصیب میں خوشی کیوں نہیں؟ میری دعائیں وہ سنتا کیوں نہیں؟ کیا میں اس کی مخلوق نہیں ہوں؟" بہتے آنسوؤں' کپکپاتے لہجے کے ساتھ وہ معصومیت سے پوچھتے ہوئے شاید آج شاہ میر کو ختم کر کے ایک نیا شاہ میر اس دنیا کے سامنے لانا چاہ رہی تھی جو اس سے عشق کرنے لگا تھا' جنون کی حد تک عشق۔

"میں بری ہوں نا' بہت بری..... اسی لیے تو وہ میری سنتا نہیں ہے۔" وہ خود ہی نتیجہ اخذ کر چکی تھی اور دوبارہ گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھ گئی۔

شاہ میر کو لگا' وہ ابھی اٹھے گا اور چیخ چیخ کر پوری حویلی میں سب کو بتا دے گا کہ وہ اس تنہا اکیلی معصوم سی لڑکی سے شادی کر رہا ہے کیونکہ مرنے لگا ہے وہ اس پر..... لیکن وہ بنا کچھ کہے تیزی سے اٹھا اور بھاگتا ہوا جا کر اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ وقت و حالات کی آہنی زنجیریں اس کے ہونٹوں پر قفل لگا رہی تھیں' اس کے قدم روک رہی تھیں۔ اس نے شیشے کا گلاس زور سے دیوار میں دے کر مارا اور بغیر پانی کے نیند کی کچھ ٹیبلیٹس نگل کر آنکھیں موند کر لیٹ گیا۔

☆.....☆

وہ جانے اور کتنی دیر وہاں بیٹھی رہتی اگر بے بے اسے آ کر لے نہ جاتی۔ بے بے نے اسے رات میں پیار سے اتنا سمجھایا تھا کہ اس نے وعدہ کر لیا تھا کہ آئندہ اپنے پیارے اللہ پاک سے کبھی شکوہ نہ کرے گی۔

"دعائیں اس کے ہاں محفوظ ہیں اور جب آخرت میں ہماری دنیا میں مانگی دعائیں پوری ہوں گی تو ہم بے ساختہ کہیں گے کہ کاش ہماری ہر دعا یہاں ہی پوری ہوتی۔ دنیا میں ہوتی ہی نا۔"

بے بے کی بات پر مطمئن سی ہو کر سو گئی تھی۔ صبح اٹھی' نماز پڑھی' خدا سے توبہ کی اور دوبارہ روٹین کے مطابق حویلی میں کام میں مصروف ہو گئی۔ وہ بی جان کو دن کا کھانا کھلا کر فارغ ہوئی تو ٹی وی لاؤنج میں آ بیٹھی اور ٹی وی دیکھنے لگی۔

"تمہیں طارم بی بی بلا رہی ہیں۔"

تھوڑی ہی دیر میں شنو نے اسے تیکھے سے انداز میں کہا تو وہ ڈرتے ڈرتے اس کے کمرے میں چلی آئی۔

"جی بی بی!" وہ صوفے پر بیٹھی میگزین دیکھ رہی تھی۔

"ادھر آؤ میری ٹانگوں میں درد ہے' ٹانگیں دباؤ۔"

اپنی انا کی تسکین کے لیے طارم کیا کچھ نہیں کر رہی تھی' وہ حیرت زدہ سی ہو گئی۔

"جی.....!"

"سنا نہیں تم نے' ٹانگیں دباؤ۔" طارم پھنکار رہی تھی۔

"اچھا..... جی.....!" کشمائن خوف زدہ سی ہو کر آگے بڑھی اور کارپٹ پر بیٹھ کر طارم کی ٹانگیں دبانے لگی۔ اسے بے ساختہ آج اماں یاد آ گئی تھی۔ وہ بھی تو ایسے ہی بلاتی تھی۔ نفرتوں اور حقارتوں کے امین خواہ کوئی بھی ہوں' کہیں بھی ہوں' انداز تقریباً ایک ہی ہوتے ہیں.....

وہ کتنی دیر نم نگاہوں کے ساتھ سر جھکا کر طارم کی ٹانگیں دباتی رہی۔

"بس کرو' اب پاؤں دباؤ۔" طارم نے جھٹکے سے اس کے ہاتھ روکے تھے۔

کشمائن نے آہستگی سے بلیک چپل سے طارم کے مرمریں پاؤں آزاد کیے اور نرمی سے دبانے لگی۔ دو آنسو گال پر پھیل گئے' کتنے ہی دل میں اتر گئے..... عزت نفس کا قتل خود بہ خود ہوتا جا رہا تھا۔

"طارم.....!" معاً شاہ میر نے اس کے کمرے میں جھانکا تھا لیکن اب کشمائن کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ..... یہ کیا کر رہی ہو تم؟" شاہ میر حیرت و

غصے سے اتنی زور سے بولا تھا کہ طارم کے ساتھ ساتھ وہ بھی اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ شاہ میر کا چہرہ غصے سے اتنا سرخ ہو رہا تھا جیسے سلگتا انگارہ۔

"پاؤں دبا رہی تھی میرے....."

"تم سے نہیں پوچھا طارم!" شاہ میر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

"وہ..... میں..... بی بی..... کے پاؤں....."

"بی بی کے پاؤں..... کس لیے لایا ہوں میں تمہیں حویلی میں؟ بی جان کی خدمت کے لیے یا طارم کے کاموں کے لیے؟" وہ ہنوز اسی انداز میں پوچھتا ہوا اسی پر برس رہا تھا۔

"بی بی نے کہا تھا' میں تو اس لیے دبا رہی تھی۔" وہ کہہ کر بے اختیار رو دی اور کمرے سے باہر بھاگ گئی۔

ایک سلگتی نگاہ شاہ میر نے طارم پر ڈالی اور سرعت سے کمرے سے نکل گیا۔

طارم کی سانس رکنے لگی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے صوفے پر بیٹھی اور بے آواز رونا شروع ہوگئی۔

☆.....☆

رات کو بے بے کے لیے چائے کپ میں ڈالتے ہوئے چائے چھلک کر اس کے پاؤں پر گر گئی تھی پر اس نے چنداں فکر نہیں کی' کیسی جلن' کیسا دکھ..... وہ پتھر کی بننا چاہ رہی تھی۔ اس نے کوارٹر میں آ کر بے بے کو چائے دی اور خاموشی سے آ کر باہر حوض کے پاس بیٹھ گئی پر پاؤں پانی میں نہیں دیئے نہ ہی آج حوض اسے اپنے خواب کا حصہ لگ رہا تھا نہ ہی اس کا دل کوئی اچھی سی کتاب پڑھنے کو چاہ رہا تھا..... وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے پانی کو دیکھ رہی تھی۔

"سوری.....!"

پاس ہی نرم سی آواز ابھری تو وہ چونک گئی اور اب حیرت و خوف سے پاس بیٹھے شاہ میر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ فرش پر اس کے بالکل پاس ہی بیٹھا تھا۔

"تمہیں ڈانٹا میں نے' تمہیں برا لگا ہوگا' آئی ایم ریئلی سوری کشمائن! پلیز' مجھے معاف کر دو۔"

وہ نہایت عاجزی سے کہہ رہا تھا۔ وہ گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

"کشمائن! اگر میرا بس چلتا تو اس وقت میں طارم کو ختم کر دیتا پر..... میں جو کر سکتا تھا' میں نے کیا۔ پتا ہے کشمائن! ایسا لگتا ہے' سب کچھ' سب کچھ..... خوشی..... زندگی اور محبت صرف ایک ہی لفظ میں سمٹ آئے ہوں۔" کشمائن" سب کچھ صرف کشمائن۔"

اس کا لہجہ اتنا گمبھیر' اتنا پرفسوں تھا' کشمائن کو اپنی سماعتوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔

"تم فکر مت کرو' میں اماں جی سے جلد ہی بات کروں گا۔" وہ مسکرا دیا۔ وہ ہنوز گومگو کی حالت میں تھی۔ "پاؤں ٹھیک ہے تمہارا؟ چائے گری تھی اس پر۔" شاہ میر نے نگاہیں نیچے کیں اور اس کے بائیں پاؤں کو ہاتھ سے چھو لیا۔

"نہیں.....!"

کشمائن خوف زدہ سی ہو کر جھٹکے سے اٹھی تھی اور نفی میں گردن ہلانے لگی۔

"میں بہت اکیلا ہوں کشمائن! مجھے پہلی بار محبت ہوئی ہے' کسی کی ضرورت محسوس ہوئی ہے' زندگی میں بس کچھ کمی تھی' میں اس کمی کو پورا کرنا چاہتا ہوں کشمائن! I need you. مجھے تمام عمر کے لیے تمہاری ضرورت ہے۔"

"نہیں' نہیں۔" کشمائن کو اس پر پاگل پن کا گماں ہوا تھا۔ وہ نفی میں گردن ہلاتی مڑی اور سرپٹ اپنے کوارٹر میں بھاگ گئی۔ دور کھلی کھڑکی سے یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے طارم نے زور سے پہلے ہاتھ میں پکڑا گلاس کھڑکی پر اور پھر سر دیوار میں مارا تھا۔ چھناکے سے گلاس ٹوٹ گیا۔ بے خبر شاہ میر وہیں فرش پر لیٹ گیا تھا اور خون میں لت پت طارم کارپٹ پر ڈھے گئی تھی۔

☆.....☆

حویلی میں پریشانی بھری ہلچل سی مچ گئی تھی۔ صبح مالی بابا نے شاہ میر کو ٹھنڈے فرش سے اٹھا کر حیرانی سے اماں جی کو بتایا تھا۔ شنو کمرے میں گئی تو بے ہوش پڑی طارم کو دیکھ کر چیخیں مارتی ہوئی باہر نکلی تھی اور وہ کشمائن کل رات سے ہی شدید بخار میں تپ رہی تھی لیکن پھر شاہ میر نے خود کو سنبھال لیا۔ طارم کو ہاسپٹل لے آیا۔ وہ ہوش میں آئی اور کمزوری سے چکروں کے آنے کا بہانہ کر کے سب کچھ سنبھال گئی لیکن اگر طبیعت نہیں سنبھلی تو اس کی..... وہ پانچ دن سے مسلسل بخار میں تپ رہی تھی۔

"کشمائن.....! یہ دودھ پی لے۔" بے بے نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو بخار میں ذرا کمی محسوس ہوئی تھی۔ صبح ہی ڈاکٹر انجیکشن جو لگا گیا تھا۔ اس نے دھیرے سے آنکھیں کھول کر بے بے کو دیکھا' وہ اسے شفقت سے دیکھ رہی تھی۔

"جلدی ٹھیک ہو جا' اب کتنے انجیکشن لگوائے گی؟ پتا ہے' بی جان نے ہزار بار پتا کروایا ہے اور شاہ میر صاحب تو دسیوں چکر لگا چکے ہیں۔" بے بے اسے خوش کرنے کے لیے بتا رہی تھی۔

وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی رہی اور پھر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ بے بے نے اسے پیار سے دودھ کا گلاس پکڑا دیا۔ اس نے خاموشی سے لیا اور خالی کر کے اسٹول پر رکھ دیا۔ اب وہ اپنے ہاتھوں کو گھور رہی تھی۔ "میں نے تو کتنی بار منع کیا تھا' یوں رات کو لان میں مت بیٹھا کر۔"

"بے بے.....!" وہ آہستگی سے بولی۔

"ہاں.....!" بے بے اس کے قریب ہوگئی۔

"بے بے! مجھے بچا لے' اس بلا سے مجھے بچا لے..... میں مر جاؤں گی۔" وہ خوف زدہ سے انداز میں بولتی ہوئی رو دی۔

"کس سے بچا لوں؟" بے بے حیران ہوئی۔

"اس محبت سے..... میں محبت نہیں کرنا چاہتی بے بے! پر یہ کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہے؟ بھلا وہ کہاں..... اور میں کہاں..... وہ ان سے عشق کرتی ہے..... اور وہ مجھ سے کرنے لگے ہیں..... یہ کیسی ناانصافی ہے؟ میں اس ناانصافی کا حصہ نہیں بننا چاہتی بے بے' پر پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگتا ہے جیسے یہ محبت تو کب سے میرے تعاقب میں ہے۔" وہ بے ربطگی سے بول رہی تھی' رو رہی تھی' فریاد کر رہی تھی' خوف زدہ تھی اپنے انجام سے۔

"کشمائن! کون کر رہا ہے تجھ سے عشق؟"

بے بے نے بڑی مشکل سے حواس بحال کیے اور اس کو گلے سے لگا کر پوچھنے لگی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"وہ..... شاہ صاحب' یہ کیسے ہو سکتا ہے' میں خاک کا ذرہ' وہ آسمان کا چاند..... بے بے!"

وہ ایک دم پرے ہو کر حیرت سے بے بے سے پوچھ رہی تھی اور بے بے کو بالکل سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کہے کیونکہ انہیں اپنی سماعتوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

"چپ ہو جا کشمائن! یہ بات آئندہ پھر کبھی اپنے منہ سے مت نکالنا' کان اور ہونٹ دونوں سی لے ورنہ بہت برا ہو جائے گا۔" بے بے نے اس کو خوف زدہ سے انداز میں کہا اور گلے لگا کر سختی سے بھینچ دیا۔

☆.....☆

خود پر قابو پانے میں' مصنوعی تبسم چڑھانے میں تو وہ ویسے ہی ماہر تھی۔ بی جان' اماں جی' شاہ میر نے کتنا پوچھا تھا کہ یہ سب کیسے ہوا؟ اس کے سر میں کیسے چوٹ لگی؟ پر اس نے اصل بات چھپا لی تھی۔ ایک ہفتے سے پوری حویلی اس کے آگے پیچھے ہوتی پھر رہی تھی۔ وہ خالہ جان سے اپنے دل کی کیفیت بیان کرنا چاہتی تھی لیکن فی الحال خاموش تھی۔ وہ جانتی تھی کہ خالہ جان اس سے کس قدر محبت کرتی ہیں' وہ ان کے لیے سگوں سے بھی بڑھ کر ہے۔

کشمائن بیماری کے بعد دوبارہ کام پر لگ چکی

تھی لیکن نہ اس نے اسے بلایا تھا اور نہ وہ خود اس کے سامنے آئی تھی۔ وہ شاہ میر سے بھی دور دور رہتی تھی لیکن ایک دن اچانک شاہ میر اس کے سامنے آ ہی گیا۔ شاہ میر نے گہری نگاہوں سے اس کو دیکھا تھا۔ وہ حیرت سے اس کی صورت تکنے لگی۔ سرخ نگاہیں، بڑھی شیو، بکھرے بال، اپنے حلیے سے، وہ اپنے وجود سے لاپروا، بے خبر دکھ دیا تھا۔ ایک حسرت، ایک خواہش، ایک تمنا سی تھی اس کی آنکھوں میں..... دست سوال بن کہے دراز کیا جائے، یہ آنکھوں کا ہی کمال ہوتا ہے۔

کشمائن کا دل بے ساختہ چاہا، اس کے قدموں میں ہاتھ جوڑ کر بیٹھ جائے، رو رو کر اس سے کہے کہ شاہ میر، پلیز، پہلے جیسے ہو جاؤ، میں تمہیں اس آزردہ حال میں نہیں دیکھ سکتی۔ اک آگہی اسے شاہ میر کی آنکھوں نے دی تھی، محبت کی آگہی..... عشق سے آگہی..... وہ ساکت کھڑی رہی اور پھر نگاہیں جھکا کر خاموشی سے پاس سے گزرنے لگی۔ ''مجھے تمہارا جواب چاہیے، میں بی جان اور اماں جان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' گمبھیر لہجے نے اس کے اٹھتے قدم روک دیے۔

''کیسا جواب؟'' وہ واقعی حیران تھی۔

''میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' شاہ میر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہا۔

''نہیں، نہیں شاہ.....! طارم بی بی.....'' وہ حیرت و خوف سے چیخی اور جھٹکے سے پیچھے ہو کر دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔

''طارم! طارم! طارم! وہ صرف کزن ہے میری، میں پہلے بھی اماں جان کو منع کر چکا ہوں، دیکھو، میری بات سنو، مجھے ایک ہفتے کے اندر اندر جواب چاہیے، میں کل کراچی جا رہا ہوں، اگلے سن ڈے کو واپس آؤں گا، ان دنوں میں تم اپنا جواب منتخب کر لینا۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں بلکہ جھٹکے سے مڑ کر چلا گیا۔

کشمائن نیچے بیٹھتی چلی گئی، گال بھیگ رہے تھے۔

محبت..... نارسائی..... عشق لاحاصل..... وہ گھٹنوں پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور دروازے کے پیچھے کھڑی شنو سخت حیرت انگیز تاثرات لیے طارم کے کمرے میں مڑ گئی۔

☆.....☆

عشق کے رستے خاردار ہیں، گھاٹیاں تاریک ہیں، منزل بہت دور..... لیکن یہ ساری رکاوٹیں کس نے پیدا کر دیں۔ ایک حقیر، ایک بے مایا سی لڑکی نے جس کی اوقات کچھ بھی نہیں..... اس کے سامنے وہ کیا حیثیت رکھتی تھی..... طارم نے کپکپاتے قدم بیڈ سے اتارے اور آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ وہ حسن، وہ روپ..... وہ دلکشی..... وہ اپنے چہرے کے ایک ایک نقش پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ اسے خود سے گھن آنے لگی۔ وہ خود کو میل کچیل خاک سے اٹا ہوا دیکھ رہی تھی۔ وہ بدصورت تھی، بہت بدصورت.....

وہ زور سے چیخی اور پرفیوم کی شیشی ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر دے ماری۔ وہ کارپٹ پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

شنو بھاگ کر آئی تھی۔ ''کیا ہوا بی بی؟'' وہ خوف سے کانپ اٹھی۔

طارم نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ ''ہاں، کچھ نہیں، یہ آئینہ چینج کروا دو کسی کو خبر ہوئے بنا اور کشمائن کو میرے کمرے میں بھیجو۔'' طارم نے سختی سے چہرہ رگڑا اور مضبوط سے لہجے میں کہا۔ دل بہت تیز رفتار سے دھڑک رہا تھا کہ ابھی وہ حسین لڑکی، وہ حسین لڑکی جسے شاہ میر نے پسند کیا ہے، اس کے سامنے آئے گی تو کیسے سامنا کرے گی وہ اس کا..... کتنی کم مائیگی کا احساس ہو رہا تھا اس وقت.....

''جی بی بی.....! بلایا آپ نے؟'' باادب انداز، گھبرایا سا لہجہ..... وہ طارم کے بالکل سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ پرپل جارجٹ کا عام سا سمپل سوٹ جس پر اس نے بلیک گرم شال ماتھے تک لپیٹی تھی، کتنی پاکیزگی تھی اس چہرے پر، کتنی معصومیت تھی ان آنکھوں میں..... طارم حیرت سے اسے تکتی ہوئی اس کے پاس چلی آئی۔ کشمائن حیرت و گھبراہٹ کی انتہا پر تھی۔ طارم نے جھٹکے سے اس کے وجود سے لپٹی چادر کھینچ دی۔ چادر کارپٹ پر جا گری۔

''کیا..... طارم بی بی؟'' غصے و حیرت سے چیختی ہوئی کشمائن خفت زدہ چہرے کے ساتھ دور ہو کر طارم کو دیکھنے لگی۔ اب طارم اس کے پورے وجود کو گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''تم..... تم کتنی خوب صورت ہو کشمائن.....! تمہارا چہرہ، تمہارا جسم، تم اس دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہو۔'' طارم پاگلوں کے سے انداز سے بولتی ہوئی کشمائن کے چہرے کو چھو رہی تھی۔ ''تم اپسرا ہو، تھوڑی سی خوب صورتی مجھے بھی دے دو۔'' وہ جنون کی انتہا پر تھی۔ جنون اور دیوانگی نے یہ حالت کر دی تھی کہ طارم مصطفیٰ، کشمائن ابرہیم کے آگے دست سوال لیے کھڑی تھی۔ حسین و جمیل لڑکی، عام سی لڑکی سے حسن کی بھیک مانگ رہی تھی، کیوں؟ کیونکہ اس کی نظر میں محبت، حسن تھی..... عشق، حسن تھا.....

''آ..... آپ.....''

''ہاں، میں پاگل ہوں، دیوانی ہوں..... خطرناک ہوں، مجھے تمہارا حسن چاہیے۔''

طارم نے زور سے چیخ کر اسے چپ کرایا تھا۔ وہ لرزتی ہوئی دیوار سے جا لگی۔

''طارم بی بی! جو مانگنا ہے، رب سے مانگیں، مجھ حقیر سے کیوں سوال کر رہی ہیں؟'' وہ اٹک اٹک کر بول کر رو دی۔

''تم حقیر نہیں ہو، ہرگز نہیں۔'' آنکھوں میں اتنی آگ تھی کہ کشمائن کو پورا وجود سلگتا ہوا محسوس ہوا۔

''طارم بی بی! بڑی بی بی ادھر ہی آ رہی ہیں۔'' شنو نے معاً اطلاع بہم پہنچائی تھی۔ طارم بھربھری مٹی کی طرح بیڈ پر بیٹھ گئی۔ کشمائن نے تیزی سے دروازے کی راہ لی۔

☆.....☆

شاہ میر کو گئے ہوئے پورے دو دن ہو گئے تھے، وہ طارم کے اس رویے کے بعد کچھ زیادہ ہی خوف زدہ ہو گئی تھی۔ آنکھ بند کرتے ہی حادثے کا گماں ہوتا تھا۔ بی جان کی طبیعت کچھ زیادہ ہی خراب تھی، وہ صبح سے ان کے کمرے میں گھسی ہوئی تھی۔ نوراں نے آ کر بتایا کہ بے بے دوسرے گاؤں اپنی بیٹی کے پاس جا رہی ہے تو وہ پریشانی و دکھ سے بھاگی چلی آئی۔

''مجھے چھوڑ کے جا رہی ہے بے بے!'' وہ حیرت و خفگی سے پوچھنے لگی۔

''ہاں بیٹا، میری بیٹی بیمار ہے، ماں نہیں پہنچے گی تو کون پہنچے گا؟''

''اور یہ بیٹی.....؟'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''میں دو دن میں لوٹ آؤں گی۔'' بے بے نے اسے پیار سے گلے لگا لیا۔

''بے بے! مجھے اکیلا چھوڑ کے مت جا۔'' وہ رونے لگی۔

''پگلی! تو بھی چل.....''

''بی جان بیمار ہیں۔''

''تو پھر خوشی سے مجھے رخصت کر۔''

''بے بے.....! میں اسے جواب کیا دوں؟''

''جو تیرا دل چاہتا ہے، شاید خدا نے تیرے نصیب میں خوشیاں لکھی ہوں۔'' بے بے نے اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھا اور بیگ اٹھا کر رحمو کے ساتھ چلی گئی۔

تنہا کوارٹر میں وہ ساری رات خوف سے کانپتی رہی۔ ماحول میں کچھ ایسی سوگواری سی چھائی تھی کہ بے اختیار رونے کو دل چاہ رہا تھا۔ آج حیدر، مشی، اماں تینوں ہی بہت یاد آ رہے تھے۔ وہ روتی رہی۔ رات کے آخری پہر دل نے بے اختیار تمنا

کی تھی کہ وہ شاہ میر کے حصار میں چھپ کر اس حویلی کے سب سے محفوظ کونے میں بیٹھ جائے جہاں کوئی اس پر نظر نہ ڈال سکے۔

"I need you too Shahmeer!" وہ روتے روتے کتنی بار بولی اور پھر سو گئی۔

صبح اٹھی تو حالات و ماحول جوں کے توں تھے۔ وہی سوگواری، وہی مہیب خاموشی، وہی انجانا خوف سائے کی طرح اس کے پیچھے تھا۔ وہ اٹھتے ہی بی جان کے کمرے میں گھس گئی اور پھر دن کا کھانا کھلا کر ہی باہر نکلی۔ وہ کچن میں آ کر اپنے لیے چائے بنانے لگی۔

"طارم بی بی کا حکم ہے کہ آج تم ان کے کمرے کا باتھ روم صاف کرو گی۔" شنو نے سخت لہجے میں بتایا اور جواب سنے بغیر چلی گئی۔ طارم سے اب وہ کسی بھی زیادتی کی توقع کر سکتی تھی۔ چنانچہ خاموشی سے کچن سے باتھ میں چلی آئی اور صاف ستھرے وائٹ سنگ مرمر کے باتھ روم کو ازسرنو صاف کرنے لگی۔ وہ بیسن صاف کر رہی تھی، معاً اس کے ہاتھ کسی نے مضبوط گرفت میں لیے تھے۔ وہ بوکھلا کر مڑی، شنو اس کے دونوں ہاتھوں کو سختی سے تھام چکی تھی۔ اس کا سانس جہاں تھا، وہیں رک گیا۔ سامنے چہرے پر سخت عزائم کا عزم لیے طارم کھڑی تھی۔

"کیا ہوا شنو! چھوڑ....." اس نے مزاحمت کرنا چاہی۔

"بہت عشق کرتا ہے نا میر اس چہرے سے....."

لفظ نہیں، سلگتے انگارے تھے، نفرت کی آگ ایک بار پھر کشمائن کا وجود، اس کی ہستی جلانے کے درپے تھا۔

طارم سرعت سے مڑی اور دیوار گیر الماری سے ایک شیشی نکال کر اس کا ڈھکن دور پھینک دیا اور کشمائن کی طرف بڑھنے لگی۔

"نن..... نہیں.....! طارم.....! یہ کیا ہے؟ کیا کر رہی ہو؟"

"یہ شاہ میر کی کسی اور سے محبت ہے جسے میں اپنے ہاتھوں سے جلا رہی ہوں۔" نہایت سفاکی و درندگی دکھاتے ہوئے طارم نے ہاتھ میں پکڑی بوتل سے تیزاب کشمائن کے چہرے پر پھینکا تھا جسے مچلتی کشمائن کا بایاں گال اور آدھی گردن لمحے میں جھلسا کر رکھ دی تھی۔ دلخراش، لرزتی چیخیں حویلی کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھیں۔ دو پتھر زمین پر گرا وجود تڑپتا دیکھ رہے تھے۔ آسمان رو رہا تھا، درختوں کے پتے سوگوار ہوا کے ساتھ بج کر نوحہ سنا رہے تھے۔ بی جان دواؤں کے سہارے غفلت کی نیند میں تھیں اور اماں جان کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔

انسان جب حیوانیت پر اتر آئے تو بہت تباہی مچتی ہے، سب کچھ فنا ہو جاتا ہے۔ دل پتھر..... روح بنجر..... اپنی انا کی تسکین کے لیے اٹھا ہر قدم تباہی، صرف تباہی کی طرف لے جاتا ہے، چاہے وہ خود کی ہو یا کسی اور کی..... شنو نے اسے حویلی سے نکال دینے کا مشورہ دیا تھا اور اماں جان نے سختی سے شاہ میر سے دور رہنے کا حکم دینے کا پردہ..... وہ چاہتی کہ سب کچھ ختم ہو جائے اور اس نے اپنی نظر میں کر بھی دیا تھا۔ اب وہ حقارت سے آنکھوں میں اترتے سکون کے ساتھ بے ہوش پڑی کشمائن کو گھور رہی تھی۔

"ا..... اب..... کیا کرنا ہے؟" شنو نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔ وہ سمجھی تھی، شاید کشمائن تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ طارم نے نگاہیں اردگرد گھمائیں، حویلی کی تمام نوکرانیاں حیرت زدہ چہروں پر بے تحاشا خوف لیے نیچے پڑی جھلسے ہوئے چہرے والی کشمائن کو دیکھ رہی تھیں۔

"خبردار! جو کسی نے آواز بھی نکالی۔ زندہ زمین میں گڑوا دوں گی۔" طارم نے نہایت غصیلے انداز سے پتھر جیسے لہجے میں ایک ایک کو وارن کرتے ہوئے کہا۔

"..... یہ کیا کیا طارم؟" اماں جان ابھی ابھی آئی تھیں اور حیرت سے طارم کو دیکھ رہی تھیں۔ اس وقت وہاں موجود طارم کے سوا ہر ذی روح کپکپا رہا تھا۔

"اسے حویلی سے باہر پھنکوا دیں ورنہ میں..... میں خودکشی کرلوں گی۔"

طارم نے زہریلے لہجے میں کہا اور باتھ روم سے باہر نکل گئی۔

"جاؤ' جاکر کرم دین کو بلاؤ۔" بڑے بڑے گھروں میں رہنے والوں کے دل شاید یونہی پتھر کے ہوا کرتے ہیں اسی لیے وہ نارمل سے انداز میں بہو سے بولی تو وہ ڈرائیور کو بلانے بھاگ گئی۔

"جج..... جی.....!" کرم خان آیا تو کشمائن کو دیکھ کر جملہ منہ میں ہی رہ گیا۔

"کرم دین.....! آواز نہ نکلے' جاؤ اور جاکر اسے کسی ہاسپٹل میں پھینک آؤ' شاید کوئی آکر اس کا اپنا لے جائے۔ طارم کے غصے کی بھینٹ چڑھ گئی ہے بے چاری' پر کرتوت بھی تو کچھ ایسے ہی کررہی تھی۔" ان کے لہجے میں غصہ تھا' حقارت تھی اور ابن غلام کرم دین خاموشی سے اسے اٹھا کر باہر نکل گیا۔

☆.....☆

تاحد نظر پھولوں سے سجا ڈرائنگ روم..... ڈائننگ' لاؤنج غرض یہ کہ حویلی کے ہر ہر حصے کو مختلف پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں بے تحاشہ حیرت سے پہنچا تو مزید حیرت میں پڑ گیا' دیوار پر پھولوں سے ویل کم لکھا تھا۔ وہ بے اختیار ہنس دیا اور کچھ سوچ کر اماں جان کے کمرے میں آگیا۔ وہ ان سے لڑ کر گیا تھا' یقیناً یہ اسے منانے کا طریقہ تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" وہ کمرے میں آیا تو طارم بھی موجود تھی پر اس نے سرسری نگاہ ڈالی۔ وہ بہت تیار دکھ رہی تھی۔ وہ سیدھا اماں کے پاس چلا آیا۔

"شکر ہے' تو لوٹا تو سہی' یاد آگئی ماں۔" وہ مصنوعی خفگی دکھانے لگیں۔

"یہ سب....."

"میں نے کیا ہے تاکہ تمہیں اندازہ ہوجائے کہ تمہارے آنے پر ہم کتنا خوش ہوتے ہیں۔ اچھا کہتی ہوئی بالکل اس کے پاس چلی آئی۔ وہ حیرانی سے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں کسی دیوانی کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔

"بہت شکریہ.....! ویسے اس سب کی ضرورت نہیں تھی۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ ہنس دیا۔

"چلو اب چھوڑو اس قصے کو' میں کھانا لگواتی ہوں۔ دونوں جلدی سے پہنچو۔" اماں جان نے موضوع بدلا اور کمرے سے نکل گئیں۔

"اتنے دن کہاں تھے؟" وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

"یہیں چھپا بیٹھا تھا' خدا سے دعائیں مانگ رہا تھا۔" وہ بھی سنجیدہ تھا۔

"دعائیں.....! کون سی.....؟"

"تمہیں کچھ پرسنل۔" وہ مسکرایا اور کمرے سے نکل گیا۔

وہ کاریڈور میں متلاشی نظریں گھماتا ہوا بی جان کے کمرے میں چلا آیا' پر وہ وہاں بھی نہیں تھی۔ وہ اداس سا ہوگیا اور سوتی ہوئی بی جان کے پاؤں چھوکر واپس نکل گیا۔ کھانے میں بھی بہت اہتمام کیا گیا تھا۔ شنو تو اپنے گھر گئی ہوئی تھی البتہ باقی نوکرانیاں کام کرتی پھر رہی تھیں لیکن سب کی آنکھوں میں ایک خوف تھا جسے وہ ایک لمحے میں پہچان گیا تھا پر وہم سمجھ کر جھٹک دیا۔ سب موجود تھے پر ایک نہیں تھی تو وہ..... اور بے بے نہیں تھیں۔

"بے بے کدھر ہیں؟" کچھ انا پرست بن کر نہ اس نے اس کا پوچھا نہ کوارٹر میں گیا۔

"کوارٹر میں ہے' بے چاری کو بخار ہے۔" طارم نے لاپروائی سے جواب دیا تھا۔

"اچھا....." وہ تشویش سے بولا' پر چیئر چھوڑ کر اٹھا نہیں' بے بے کو پوچھنے کوارٹر میں گیا نہیں۔

اب وہ خود میرے پاس آئے گی..... مردانہ انا نے قدم سختی سے روکے ہوئے تھے۔ وہ کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ ہر لمحہ' ہر آہٹ حس سماعت بنی ہوئی تھی کہ شاید ابھی اس کی آواز کانوں سے ٹکرا جائے' پر کتنے ہی گھنٹے گزر گئے' نہ وہ آئی نہ اس کی خوشبو..... وہ بجھنے لگا' جلنے لگا..... بن آنسو رونے لگا۔ 'وہ اتنی ظالم کیوں ہے.....؟' اس نے تکیہ منہ پر رکھ لیا تھا۔

☆.....☆

رات تو گزر گئی لیکن اب صبح سے اسے کسی ان ہونی کا احساس ہو رہا تھا۔ جانے کیوں دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا پھر ایک خوف کی لہر اس کے اندر دوڑی تھی اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کوارٹر میں چلا آیا۔

"بے بے.....! بے بے!" نام کسی اور کا' تلاش کسی کی..... وہ پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"میر صاحب!" بے بے کی نحیف آواز ابھری تھی۔ وہ ان کی چارپائی کی طرف بڑھ گیا۔

"بخار ہے؟"

"ہاں.....!" وہ مختصر سا جواب دے کر رونے لگیں۔

"بے بے! کیا ہوا' کیوں رونے لگی ہو؟" شاہ میر چیخ اٹھا۔

"میر! سب کہتے ہیں' وہ بھاگ گئی ہے' حویلی سے نکل گئی ہے اپنی مرضی سے' لیکن مجھے لگتا ہے جیسے اسے یہاں سے نکالا گیا ہو۔ "کشمائن.....! میری بچی.....! جانے کہاں گئی ہوگی؟"

"نہیں بے بے.....! ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ نہیں' وہ نہیں جا سکتی۔" شاہ میر حیرت کی انتہا پر تھا۔

"وہ چلی گئی ہے..... وہ....." اور ابھی بے بے کی بات پوری ہی نہیں ہوئی تھی کہ شاہ میر تیزی سے کوارٹر سے نکل گیا۔

"اماں جان.....! اماں جان!" وہ بہت زور دار آواز سے ماں کو پکار رہا تھا۔ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو طارم اور اماں جان حیرت و خوف کی تصویر بنی کھڑی تھیں۔

"اماں جان.....! کشمائن کہاں ہے؟" وہ غصے سے پوچھ رہا تھا۔

"شاہ میر.....!"

"کشمائن کہاں ہے' کدھر ہے وہ؟ کشمائن.....! کشمائن.....!" اس نے لفظ چبائے اور پھر خود ہی ادھر ادھر دیکھتا ہوا اسے آوازیں لگانے لگا۔ طارم دیوار سے جا لگی تھی۔ سرخ آنکھیں' سرخ چہرہ۔

"کیا پاگل ہو گئے ہو؟ چلی گئی ہے وہ' اتنی بدتمیز' بے وفا لڑکی نکلی' بغیر بتائے گئی ہے۔ تمہاری بی جان بھی اس دن سے زیادہ بیمار ہو گئی ہیں۔ پتا نہیں کس کے ساتھ کیا عہد و پیماں کیے ہوئے تھے جو یوں موقع پاتے ہی....."

"خاموش ہو جائیں اماں جان.....! وہ ایسی لڑکی نہیں تھی۔ وہ یوں نہیں جا سکتی' مجھے سچ سچ بتائیں' کیا بات ہے؟" شاہ میر' اماں جان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

انہیں بیٹے سے اس لمحے اتنا خوف محسوس ہوا کہ اماں جان نے بوکھلا کر نگاہیں جھکا لیں۔ شاہ میر کو کچھ کچھ سمجھ میں آیا تھا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا' طارم جیسے پتھر کی ہو گئی تھی لیکن اس نے دیکھا تو اس نے بھی نگاہیں چرا لیں۔ وہ کانپتے دل سے دونوں کو دیکھتا رہا اور پھر تھک کر دوزانو ہو کر اماں جان کے سامنے بیٹھ گیا۔ "اماں جان.....! میں مر جاؤں گا' مجھ پر' اپنے بیٹے پر رحم کریں۔ مجھے اس کا پتا بتا دیں' میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔" اس نے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ اماں جان کے ہوش اڑ گئے۔ طارم زمین کی طرف لڑھکتی چلی گئی۔

"اماں جان.....! مجھے سچ سچ بات بتا دیں' میں اسے ڈھونڈ لاؤں گا۔ اس نے مجھے جواب دینا تھا اور یقیناً ہاں ہی میں دینا تھا۔ اماں جان.....! مجھے اس سے ملنا ہے' مجھے اس کا پتا بتا دیں۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑے سسک رہا تھا۔

اماں جان نے اس کے ہاتھ تھامے اور سینے سے لگا لیے۔ "کیا پہلے کبھی تیری ماں نے تجھ سے جھوٹ بولا ہے؟ کیا میں اپنے لخت جگر سے غلط بیانی کر سکتی ہوں؟"

طارم نے حیرت سے نہایت اعتماد سے جھوٹ بولتی' غلط بیانی کرتی اماں جان کو دیکھا۔

"کیا وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی؟"

"نمک حرام ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

"نہیں.....! نہیں.....!" وہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھا۔

"اٹھ' اپنے کمرے میں چل' تجھے میری قسم' پوری حویلی کے ملازم تماشہ دیکھ رہے ہیں۔" اماں جان نے نہایت پیار سے اس کے بازو تھام کر اسے اٹھایا تھا۔

"میں اسے ڈھونڈ لوں گا' وہ مجھ سے فرار حاصل نہیں کر سکتی۔" وہ غصے میں اپنے عزائم عیاں کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔" اماں جان بیٹے کی کیفیت خوب اچھی طرح جانتی تھیں۔

☆.....☆

تیز آنکھوں کو چبھتی روشنی کی بنا پر اس نے آنکھیں کھولیں اور پھر دوبارہ بند کر لیں۔

"ہاں.....! ہاں.....! شاباش' آنکھیں کھولو۔" بہت مہربان سی آواز ابھری تھی۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور حیرت سے اردگرد دیکھنے لگی۔ دو ماڈرن خواتین' دو پولیس والے' ایک فوٹوگرافر۔

"آپ کون ہیں؟ میں کہاں ہوں؟" وہ حیرت و خوف سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"دیکھو' میں مسز احمد ہوں' یہ مسز خان ہیں' تمہیں تمہارا حق دلوانا چاہتے ہیں۔ یہ پولیس والے تمہارا بیان لینے کے لیے کھڑے ہیں' ہم تم پر یہ ظلم کرنے والے کو سزا دلوانا چاہتے ہیں' شاباش' بتاؤ کہ تم پر تیزاب کیوں پھینکا گیا اور کس نے پھینکا؟" مسز احمد نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"تیزاب..... میرا چہرہ....." اسے جیسے سب کچھ یاد آ گیا تھا۔ اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرے' ایک طرف پٹیاں بندھی تھیں۔ اس نے اطراف میں نظریں گھمائیں' وہ ہاسپٹل میں تھی۔

"نہیں' مجھے کچھ نہیں کہنا' کسی کو سزا نہیں دلوانی' آپ لوگ جائیں' مجھے کسی سے بات نہیں کرنی۔" وہ خوف و جنون کی سی کیفیت میں چیخی۔ دونوں خواتین کے ساتھ ساتھ مرد حضرات بھی حیران ہو گئے۔

"میرا خیال ہے' ابھی ان کی کنڈیشن ٹھیک نہیں ہے۔ جب ان کا خوف دور ہو جائے تو ہمیں فون کر کے بلا لیجیے گا' ہم آ جائیں گے۔"

پولیس والے جا چکے تھے۔ وہ اب بھی کانپ رہی تھی۔ خوف زدہ نگاہوں سے خواتین کو دیکھ رہی تھی۔

"دیکھو' تم باہر کاریڈور میں پڑی تھیں۔ میں تمہیں اندر لائی' ایڈمٹ کروایا۔ ساری رات بیٹھ کر تمہارے ہوش میں آنے کا انتظار کیا اور اب تم ہماری مدد کرنے سے انکار کر رہی ہو۔ کیوں خود کے ساتھ یہ ناانصافی کر رہی ہو؟" مسز احمد نے ایک بار پھر اسے پیار سے سمجھانا چاہا تھا۔

"میں نے کہا نا' مجھے کچھ نہیں بتانا' کسی کو سزا نہیں دلوانی' میں نے خود گرایا ہے اپنے اوپر تیزاب....." وہ ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے بولی اور آخر میں جذباتی ہو گئی۔ تینوں افراد اسے حیرت سے گھور رہے تھے۔

"دیکھو، یہ ظلم جس نے بھی کیا ہے، تم اس کے خلاف مقدمہ کروا دو، تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ خدا تمہیں کتنا نواز دے گا۔ عزت، شہرت، ہم تمہیں سب کچھ دلوائیں گے۔ بس ہمارا ساتھ دو۔" کتنا لالچ، کتنی ہوس تھی ان خواتین کے لہجوں میں.....

اس دنیا میں انسان کیوں نہیں رہتے.....

کشمائن نے بے اختیار سوچا تھا۔

"آپ پلیز، مجھے معاف کر دیں۔ آپ نے جو میرے لیے کیا، میں اس کے لیے آپ کا تھینکس کرتی ہوں، لیکن مجھے شہرت، دولت نہیں چاہیے۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر دو ٹوک الفاظ میں کہا اور دیوار سے ٹیک لگا لی۔

"او گاڈ! تم تو بول چال سے پڑھی لکھی معلوم ہو رہی ہو۔" مسز خان حیران تھیں۔

"دیکھو، ہم اس وقت تو جا رہے ہیں، لیکن صبح پھر آئیں گے، تم نے ہمارا ساتھ نہیں دیا تو اچھا نہیں ہوگا۔"

مسز احمد نے اسے غصے سے گھورتے ہوئے تنگ آئے لہجے میں کہا اور وہ تینوں کمرے سے نکل گئے۔

"کیسی دنیا ہے یہ..... کیسے لوگ ہیں یہاں..... میں مر کیوں نہیں گئی....." وہ گھٹنوں پر سر رکھ کر زار و قطار رو دی۔

رات کو نرس نے آ کر اس کی پٹیاں کھولیں اور زخموں پر دوائی لگا دی۔ ایک جلن، درد، تکلیف کی لہر پورے وجود میں دوڑ گئی پر وہ برداشت کر گئی۔ دو دن ہوئے تھے اس حادثے کو..... زخموں میں جلن اب بھی تھی لیکن وہ تشہیر نہیں چاہتی تھی، نہ کسی کے ظلم کی نہ اپنی مظلومیت کی، جو ہوا تھا، ایک جنون تھا، کسی کے عشق کا حصہ تھا..... اسے اپنے بچنے پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ مشہور ہو کر کیا کرتی، یہ شہرت شاہ میر کے لیے باعث شرمندگی ہو سکتی تھی.....

وہ سوچتی رہی اور پھر کندھوں پر پڑی کالی چادر منہ اور وجود پر لپیٹ کر رات کی تاریکی میں ہاسپٹل سے نکل گئی۔

☆.....☆

دن رات کا دورانیہ وہی، حویلی کی طرز تعمیر وہی، وہی رشتے، وہی پیار و محبت، لیکن سب کچھ ختم، سب کچھ دھندلا گیا تھا۔ وہ گھنٹوں لان میں گھاس پر بیٹھا دروازے کو تکتا رہتا تھا جیسے ابھی کوئی معجزہ ہوگا، ابھی وہ بھولے سے اس دروازے کو پار کر لے گی۔ اس کے پتھر سے وجود ویران سی آنکھوں کو دیکھ کر اماں جان اور طارم غم سے دوڑی چلی آتیں۔ اسے اندر چلنے کو کہتی تو وہ گاڑی کی چابی جیب سے نکال کر باہر چلا جاتا۔ سڑکیں ناپتا پھرتا، بار بار اسی راستے پہ جاتا جہاں وہ اسے پہلی بار ملی تھی لیکن وہ تو جیسے کہیں چھپ کر دنیا کے کسی آخری کونے میں بیٹھ گئی تھی۔ وہ ایک ایک چہرے کو تکتا، شاید کہ اس کا چہرہ بھی نظر آ جائے..... وہ ہر آواز پر غور کرتا، شاید کہ اس کی سماعتیں اس کی آواز ہی سن لیں..... پر نارسائی..... ہجر..... فراق دوری اس کا تن من کھوکھلا کیے جا رہی تھی۔

"میر کو کبھی بھی پتا نہ چلے کہ تم نے کشمائن کو کیا سزا دے کر حویلی سے نکالا ہے۔" بیٹے کی حالت کچھ اور ہی عندیہ سنا رہی تھی۔ اماں جان نے طارم کو سختی سے نصیحت کی تھی۔

طارم کی حالت خود عجیب و غریب ہوتی جا رہی تھی۔ دل چاہتا، چیخ چیخ کر روئے، شاہ میر کے آگے ہاتھ جوڑے کہ وہ چلی گئی، اب تو اسے بھول جائے، طارم مصطفیٰ کو ایک بار دیکھ لے۔

وقت گزرتا جا رہا تھا، دبے پاؤں یا پر لگا کر لیکن ایک مہینہ پورا گزر گیا تھا، شاہ میر ایسے ہو گیا تھا جیسے موجود ہی نہیں۔ اتنی زمین، اتنا کام، اماں جان کا فکر سے برا حال تھا۔ شاہ ہی نہ سنبھلا تھا کہ بی جان وفات پا گئیں۔ اماں جان اور طارم غم سے نڈھال ہو گئیں۔ تعزیت والوں کا تانتا بندھا، تب شاہ میر کو طارم کا اور ماں کا کچھ خیال آیا۔ ایک نیا دکھ پرانے دکھ کو کچھ دھندلا کر گیا تھا۔

روٹین کے مطابق گھر میں دلچسپی لینے لگا لیکن اس روٹین میں بھی اتنی لاتعلقی سی ہوتی کہ اماں جان اور طارم کا رونے چلانے کو من کرتا۔

☆.....☆

رات کی تاریکی، پتھریلی سڑک دور تک جاتی، سرخ آسماں، ایک بار پھر قسمت اسے اس موڑ پر لے آئی تھی جہاں طلب صرف ایک چھت کی ہوتی ہے، نہ پیار نہ محبت نہ اہمیت نہ حیثیت..... وہ خودکشی کی حرام موت نہیں مرنا چاہتی تھی۔ گھر سے بھاگی لڑکی کے سامنے ایک بار پھر لمبی سڑک تھی لیکن اب کی بار تو وہ شاید ان انوروں کے قابل بھی نہ رہی تھی.....

وہ بے حس و حرکت کھڑی رہی اور پھر کچھ سوچ کر من من کے قدم اٹھاتی ہوئی چل دی۔ وہی راستہ، وہی گلیاں، وہی ٹوٹے پھوٹے بوسیدہ مکان..... وہ کونے میں جلتا ایک بلب..... اس نے ایک میلا سا دروازہ کھولنا چاہا پر اندر سے بند تھا۔ اس نے آہستگی سے بجا دیا۔ دھک..... دھک..... دل کی رفتار بہت تیز تھی۔

"کون.....؟" تھوڑی دیر میں دروازہ کھلا تھا۔ حیدر حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"میں..... کشما..... کشمائن!"

"باجی.....! تو.....؟" حیدر چیخ ہی تو اٹھا تھا۔ سات مہینوں میں وہ کچھ بڑا بڑا سا ہو گیا تھا یا اسے لگ رہا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے کھڑا تھا۔ وہ اندر چلی آئی۔ آدھا چہرہ چادر میں چھپا تھا۔ وہ من من کے قدم اٹھاتی اماں کے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔

"باجی.....! اماں جان سے مار دے گی، اس کے پاس مت جا۔" حیدر کی آواز کپکپا رہی تھی۔

اس نے خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"مار دے گی؟" وہ مسکرائی تھی معنی خیزی سے اور اندر چلی آئی۔

اماں کچھ بدل گئی تھی، سات مہینوں نے اس کو سات برس بڑھاپے کے عطا کر دیے تھے۔ نحیف، کمزور و بیمار سی اماں بستر پر پڑی کھانس رہی تھی۔ ٹوٹا پھوٹا کمرہ ٹوٹی پھوٹی زندگی کی علامت لگ رہا تھا۔

"اماں.....!" وہ سپاٹ سے لہجے میں بولی اور چارپائی کے پائے سے لگ کر بیٹھ گئی۔ کھانسی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ حیدر حیرت سے دروازے میں کھڑا تھا۔

"اماں.....!" وہ پھر بولی تھی۔ معاً کھانسی رکی، چارپائی کی چرچراہٹ سنائی دی۔

"کون ہے؟ کون ہے؟" اماں حیرت سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔

"اماں.....! اماں.....! اماں.....!" وہ زور زور سے چیخنے لگی۔ درد سے، تکلیف سے، پاگل پن میں.....

"تو..... تو....." حیرت، غصہ، نفرت، حقارت لمحہ بھر میں لہجے میں اتر آئی تھی۔ اس کی آوازیں سن کر مشی بھی دوسرے کمرے سے بھاگ آئی تھی اور اب حیرت کا مجسمہ بنی کھڑی تھی۔

"میرے دل میں پاکیزگی کی، عزت کی طلب تھی۔ میں تیری چوکھٹ چھوڑ گئی، تجھے رسوا کر گئی، تجھے ذلیل کیا، پر یہ نہیں جانتی تھی کہ تیری بددعائیں میرا پیچھا کر رہی ہیں۔ مجھے تیری نفرت جلا رہی تھی۔ میں بھاگ گئی اور نصیب میں میرے کسی کے عشق میں بھینٹ چڑھنا لکھا تھا۔ مجھے معاف کر دے گی تو۔ مجھے معاف کر دے۔" وہ کپکپاتے لہجے میں ہاتھ جوڑے بول رہی تھی اور پھر اماں کے پیروں سے لپٹ گئی۔

سلگتا انتقام، مچلتی نفرت، دہکتا ہوا غصہ.....

"میں معاف کر دوں تجھے؟ تجھے پتا ہے تو نے مجھے کتنا رسوا کیا، کتنا ذلیل و خوار کیا، کتنی بے عزتی دی تو نے مجھے؟ میں تجھے معاف کر دوں؟ جہاں چھ مہینے گل کھلا کر آئی ہے، جا وہیں واپس دفع ہو جا اپنے اسی یار کے پاس۔ جا چلی جا ورنہ میں

جان سے مار دوں گی۔'' غصے سے کپکپاتی اماں نے اسے زور سے دھکا دیا تھا اور وہ جھٹکے سے دور دیوار پر جا لگی اور ایک زوردار چیخ مشی کے منہ سے برآمد ہوئی تھی جبکہ اماں کی چیخ حلق میں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ اس کی چادر اماں کے پیروں کے پاس پڑی تھی۔

کشمائن کا جھلسا ہوا چہرہ تینوں کے سامنے تھا۔ وہ رحم طلب نگاہوں سے حیرت زدہ اماں کو دیکھ رہی تھی۔ ''اماں.....! میں ساری زندگی تیری غلامی کرلوں گی' مجھے میرے کیے کی سزا مل گئی ہے' دیکھ مجھے کسی نے زندہ جلایا ہے' تیرے حصے کی سزا بھی دے دی اس نے۔ اماں.....! مجھے معاف کردے۔''

کپکپاتا وجود لیے وہ گھسٹتی ہوئی دوبارہ اماں کے قدموں میں تھی۔ احساس جرم تو سات مہینے سے ڈس رہا تھا' اس لمحے بوڑھی انا بھی دم توڑ رہی تھی۔ اماں لرزتی ہوئی نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ ''یہ..... یہ..... کیا ہوا؟'' اماں نے اس کے گال کو ڈرتے ڈرتے چھوا تھا۔

''نصیب ہے میرا' جلا ہوا' جھلسا ہوا' تیری بددعاؤں کا نتیجہ ہے' معاف کردے۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''میں نے تجھے بددعا نہیں دی تھی۔'' اماں بری طرح کانپ رہی تھی۔

وہ اس کی گود میں گر کر ہوش کھو چکی تھی۔

☆.....☆

سریلے گیت' رنگ برنگے آنچل' ابٹن کی خوشبو' مہندی کی مہک' پھولوں کی سیج۔ حویلی میں شادی تھی شاہ میر کی طارم مصطفیٰ سے..... مزاروں پر دیے جلائے گئے تھے' چادریں چڑھی تھیں' نذر و نیازیں کی گئی تھیں' صدقے دیئے گئے' اتنے سارے مرحلوں سے گزر کر وہ اپنے کمرے میں پہنچا تھا۔ بلیک شیروانی میں پتھر سا شاہ میر کسی حسین دیوتا کا مجسمہ لگ رہا تھا۔ ہزاروں خواہشیں اور تمنائیں ہونٹوں پر' آنکھوں میں' پورے وجود میں خون بن کر دوڑ رہی تھیں۔ ریڈ لہنگا' ہیرے کے جواہرات' وہ اس دنیا کی نہیں' کسی اور ہی دنیا کی شہزادی لگ رہی تھی۔

کسی کی تیرگی میں ڈوبا کھوکھلا شاہ میر صوفے پر ڈھے گیا..... طارم کے گجرے خود بہ خود ٹوٹ گئے۔

''طارم.....! میں نے اماں جان کے کہنے پر تم سے شادی کی ہے' تم ان کی بہو ہو۔''

سپاٹ لہجہ..... چوڑیاں ٹوٹنے لگیں۔

''میں چاہوں بھی تو تمہاری طرف نہیں آسکتا۔'' میک اپ بہنے لگا.....

''اس کا چہرہ' اس کا لہجہ' اس کے آنسو' اس کی ہنسی میرا پیچھا چھوڑتے ہی نہیں۔ طارم.....! اگر میرے اختیار میں ہو تو میں تمہیں ہر خوشی دوں پر میں نے اماں جان کو بہت روکا کہ ان کا بیٹا اب کسی سے محبت نہیں کرسکتا۔ مت کریں طارم پر یہ ظلم..... کیوں طارم.....! میں تمہارا کزن ہوں' صرف کزن' بے شک تم اماں جان کی بہو ہو۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں' دوسرے دروازے سے نکل گیا۔

سرخ آنچل قدموں پر آ گرا۔ طارم مصطفیٰ خود بہ خود لٹ گئی تھی اور چلا بھی نہیں سکتی تھی۔

☆.....☆

ٹھنڈی سی شام' گرم چائے کا کپ وہ ہاتھ میں لیے اپنے کمرے میں آ کر دیوار سے لگ کر چٹائی لے کر بیٹھ گئی۔ وہ چاہ کر بھی سوچوں کی یلغار سے پیچھا نہیں چھڑا سکی تھی۔ وہ یہاں سے گئی تھی تو ہر لمحہ ان لوگوں کو دھیان میں رکھتی تھی' اب یہاں واپس آئی تھی تو اتنی بڑی حویلی' بڑے لوگ اور شاہ میر..... اس کے عشق اور طارم کی نفرت کو کیسے بھول سکتی تھی؟ بھاپ اڑاتی چائے آخر ٹھنڈی ہوگئی پر وہ ہنوز گم صم سی کپ ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی۔

وہ مجھے ڈھونڈتا تو ہوگا..... ایک مان سا تھا۔

''باجی.....!'' مشی اس کے قریب آ بیٹھی تھی۔

اماں تو رہنے ہی بیمار لگی تھی' حیدر فیکٹری جانے لگا تھا اور میٹرک کر کے مشی اسکول پڑھانے لگی تھی۔ پیسے کی تنگی کچھ کم ہوگئی تھی۔ وہ لوگوں کے کپڑے سی لیتی تھی۔

''ہاں.....!'' وہ چونک کر ہوش میں آ گئی۔

''کل دوائی لگائی تھی؟'' مشی نے پیار سے دوپٹہ ہٹا کر اس کے گال کو چھوا' اس نے اسپتال سے اسے ٹیوب لا کر دی تھی۔

''میری خوف ناکی کم ہونے والی نہیں ہے مشی.....!'' وہ پھیکی سی ہو کر مسکرا دی۔

''باجی.....! وہ کتنی سنگ دل تھی' اسے تجھ پر رحم نہیں آیا؟'' مشی غصے و حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''جو دوسروں سے پیار نہیں کرتے' ان کے دلوں میں رحم نہیں ہوتا..... جو خدا سے نہ ڈرتے ہوں' ان کے دلوں میں رحم نہیں ہوتا..... جنہیں آخرت کا خوف نہیں ہوتا' ان کے دلوں میں رحم نہیں ہوتا۔'' وہ مدبرانہ سی مشی کو سمجھا رہی تھی۔

''پتا نہیں باجی! تیرا نصیب ایسا کیوں ہے؟ حالانکہ تو اتنی اچھی' نرم دل اور نیک ہے' تیری پاکیزگی تو مثالی ہے' تو اس دنیا کی نہیں لگتی۔'' مشی جذباتیت کی انتہا پر تھی۔

''تیری باجی ہوں نا' اس لیے۔'' وہ ہنسی۔

''نہیں' پتا ہے' تیرے جانے کے بعد اماں روتی تھی اور کہتی تھی کہ تو بہت اچھی ہے' اس کے ظلم سے بھاگ گئی۔'' مشی اس کا ہاتھ چومنے لگی۔

''اچھا چل تو بیٹھ' میں چاول بنالوں' حیدر آتا ہی ہوگا۔'' وہ اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔

☆.....☆

''بی بی جی.....! کوئی لڑکی آئی ہے' کہہ رہی ہے' طارم کو لاؤ۔''

شنو کی آواز پر طارم چونک گئی۔ لپ اسٹک ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی اور غصے سے شنو کو دیکھنے لگی۔

''طارم میر نام ہے میرا' جاؤ جا کر بتاؤ' اس لڑکی کو کہو کہ طارم میر سے ملنا ہے یا طارم سے؟'' کھا جانے والا انداز' پاگلوں کی سی بات.....

شنو بے بسی سے گردن ہلا کر باہر نکل گئی۔

''ارے ہاں بھئی' تم طارم میر ہو چکی ہو اب' مجھے پتا ہے۔'' کائنات تھوڑی دیر میں اس کے کمرے میں ہی چلی آئی تھی۔

''کائنات.....!'' طارم بیسٹ فرینڈ کو دیکھ کر حیران ہوئی جو اس کی شادی پر بھی نہ آ سکی تھی۔

''جی ہاں کائنات..... مسز طارم میر.....!'' وہ اس کے گلے لگ گئی۔

کائنات اور وہ باتیں کرتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔

''ارے آنٹی.....! آپ تو بڑی کمزور ہو گئی ہیں' کیا بہو ظلم کرتی ہے؟'' اماں جان سے بات کرتے ہوئے کائنات نے شرارتی انداز سے کہا۔

''ارے نہیں' میری طارم تو بہت اچھی ہے' ویسے ہی عمر کا تقاضا ہے بس۔''

اماں جان نے لمبی سانس خارج کی اور صوفے پر بیٹھ گئیں۔ تڑپتی ہوئی' بلکتی ہوئی طارم کو انہوں نے کیسے سنبھالا تھا' صبر کرنے کی' خدا سے دعا کرنے کی' انتظار کرنے کی نصیحت کی تھی لیکن درحقیقت وہ خود ٹوٹ گئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا' اب اگر ہلکا سا جھٹکا بھی لگا تو ہستی مٹ جائے گی۔

محفل جم چکی تھی۔ طارم' شاہ میر کے حوالے سے جتنے ہو سکتے تھے' جھوٹ بول رہی تھی۔ وہ کسی کو دل کا حال بتاتی ہی کب تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ شاہ میر بھی پہلے اس کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکا تھا۔ کائنات نے ڈنر بھی ان کے گھر ہی کیا تھا اور پھر اسے اپنے گھر انوائیٹ کر کے چلی گئی۔ شاہ میر آدھی رات کو گھر گیا اور ٹی وی لاؤنج میں خبریں لگا کر بیٹھ گیا۔

''شاہ میر.....!'' آہستگی سے آ کر طارم نے پیار سے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے پکارا۔ اس نے سختی سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''کائنات آئی تھی' اپنے گھر بلا کر گئی ہے' کل چلتے ہیں' کیا خیال ہے؟'' بات کرتے کرتے اس نے دھیرے سے اس کے بالوں کو چھوا تھا۔

''طارم.....! You will never touch me again. جب ایک حد مقرر کر دی' سو کر دی۔ تم جانتی ہو' میں کتنا شدت پسند ہوں۔'' وہ جھٹکے سے اٹھا تھا۔

احساس ذلت سے وہ زمین میں گڑنے لگی۔

''اگر تمہاری فرینڈز تمہیں بلاتی ہیں تو چلی جایا کرو ان سے ملنے' مجھے تنگ مت کرو۔''

وہ دھاڑ رہا تھا اور اماں جان کا دل پھٹتا جا رہا تھا۔

''میں کیسے بتاؤں اپنے بیٹے کو کہ اس کی گنہگار میں بھی ہوں.....'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں اور دل میں ایسا درد اٹھا کہ بیڈ سے نیچے لڑھک گئیں۔

''طارم بی بی! بڑی بی بی بے ہوش ہو گئی ہیں میر صاحب.....!''

حویلی میں طوفان سا مچ اٹھا تھا۔ وہ دونوں پاگلوں کی طرح اماں جان کے کمرے کی طرف دوڑے تھے' پر ویران حویلی میں مزید ویرانی پھیل چکی تھی۔ وقت انسانوں کو نگل رہا تھا۔

''اماں جان.....!'' شاہ میر بوکھلایا سا تھا۔

''خالہ جان.....! آنکھیں کھولیں۔'' طارم پاگل ہونے کو تھی پر نصیب کا لکھا کون ٹال سکا ہے۔ اماں جان چلی گئیں' دل میں بیٹے کا درد لیے..... وہ تو پھر بھی سنبھل گیا لیکن طارم تو بالکل اکیلی ہو کر رہ گئی تھی۔ شاہ میر اسے بڑی مشکل سے سنبھال رہا تھا۔ وہ اماں جان کی امانت تھی۔ وہ اس کا پہلے سے زیادہ خیال رکھنے لگا تھا۔

☆.....☆

اگر یادوں کے جگنو اس کا پیچھا چھوڑ دیتے تو شاید اب یہ دو کمروں کے گھر کے اندر کی زندگی بہت اچھی تھی لیکن یادیں..... وہ ہنستی تو آنسو بن کر چلی آتیں..... وہ خوش ہوتی تو غم بن کر چھا جاتیں..... وہ سارا دن کام میں لگ کر ان سے پیچھا چھڑاتی تھی لیکن پھر بھی دو گھنٹے کے لیے آنے والی

آخرت کے سودے

ایک دفعہ عباسی خلیفہ ہارون رشید اپنی ملکہ کے ساتھ شکار پر جا رہے تھے کہ راستے میں حضرت بہلولؒ ملے جو بلند آواز میں کہہ رہے تھے۔

''کوئی ہے' جو دنیا میں دینار دے اور آخرت میں اس کے بجائے موتیوں کا محل لے۔''

خلیفہ ہارون رشید انہیں مست سمجھ کر درگزر کر گئے۔ پیچھے ملکہ زبیدہ بیگم کی سواری آ رہی تھی۔ ان کے کانوں تک بھی بزرگ کی آواز پہنچی۔ آپ نے سواری روکنے کا اشارہ کیا اور عقیدت سے حضرت بہلولؒ کی خدمت میں دینار پیش کر کے روانہ ہو گئیں۔

رات کو خلیفہ ہارون رشید نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں ایک بہت ہی خوبصورت محل ہے' جس پر قصر زبیدہ لکھا ہوا تھا۔ جب انہوں نے اپنی بیوی کا محل سمجھ کر اندر جانے کی کوشش کی تو دربانوں نے انہیں فوراً روک کر لوٹا دیا۔ آپ بڑے پشیمان ہوئے۔

خلیفہ نے ملکہ سے خواب کا ذکر کیا اور پوچھا۔ ''تم نے ایسا کون سا نیک کام کیا ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے جنت میں اتنا عالیشان محل خاص تمہارے لیے بنایا ہے؟''

ملکہ نے کہا۔ ''کوئی خاص نیکی تو مجھے یاد نہیں' ہاں! کل حضرت بہلولؒ ملے تھے جو کہہ رہے تھے۔ دینار دے کر آخرت میں محل خرید لو۔''

اب تو آپ کافی شرمندہ ہوئے اور اسی دن دوبارہ شکار کے لیے روانہ ہوئے اور انہی راستوں سے گزرے۔ آخر ایک جگہ حضرت بہلولؒ بیٹھے ہوئے نظر آ گئے۔ آپ فوراً ان کے پاس جا پہنچے اور ان سے کہا۔

''کیا آج محل نہیں بیچو گے؟''

حضرت بہلولؒ نے اپنا بوریا بستر جھاڑ کر اٹھایا اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے۔

''آخرت کے سودے دیکھ کر نہیں ہوتے۔''

نیند میں وہ خلل ڈالتی تھیں۔ وہ رات کو اٹھ جاتی' گھنٹوں جائے نماز پر کھڑی رہتی' توبہ کرتی' گڑگڑاتی' دعائیں کرتی اس کی خوشی کی' پناہ مانگتی مزید کسی قہر سے۔ وہ خدا کے قریب ہو گئی تھی' بہت زیادہ قریب..... اماں ہنوز بیمار تھیں' ان کا جگر' گردے دونوں ہی خراب ہو گئے تھے۔ علاج مہنگا تھا' لیکن وہ تینوں محنت کر کے کروا رہے تھے۔ وقت کی رفتار سست تھی پر اندر کا دکھ مسلسل پھیل رہا تھا۔

☆.....☆

کب دن ڈھلے' کب رات چڑھے' کچھ پتا ہی نہیں چلتا' یہ دنیا اتنی تیز رفتار ہے کہ کچھ خبر نہیں ہوتی' نہ دن کی نہ شام کی' سب ایک جیسا ہے لیکن کچھ لوگوں کے دلوں پر' گھروں میں اداسی بال بکھرا کر سو جاتی ہے..... رات دائمی بن کر ڈیرے ڈال لیتی ہے۔ وہ حوض کے پانی میں پاؤں دیے بیٹھا چاند کو تک رہا تھا۔

''اب بہت ہو گیا میر.....!'' طارم نے کھڑکی سے دیکھا تو لب بول اٹھے۔ اماں جان کو فوت ہوئے چار ماہ ہو گئے تھے۔ شاہ میر نے دوبارہ سے اس کا ویسے ہی خیال رکھنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے رکھا کرتا تھا۔ طارم نے گرم شال بازوؤں پر لپیٹی اور سرعت سے لان میں چلی آئی۔ چاند کی چودھویں رات وہ دیوانوں کی طرح چاند کو تک رہا تھا۔

''شاہ میر.....!'' وہ جذبات سے بھرے لہجے میں مخاطب ہوئی۔

''تم اندر جاؤ' بہت ٹھنڈ ہے۔'' اس کی سپاٹ آواز ابھری۔

''تم نہیں چلو گے؟'' خفا سا انداز.....

''نہیں.....!'' لاپروا سا جواب.....

''شاہ میر.....! جو چھوڑ گیا' اسے بھول جاؤ' جو پاس ہے' اس کی قدر کرو۔''

''قدر تو میں نے اس کی نہیں کی تھی۔ اکیلا چھوڑ گیا تھا۔'' وہ سگریٹ سلگانے لگا۔

طارم کا وجود سلگ اٹھا۔ ''تم اسے بھول نہیں سکتے؟''

"بس میں نہیں ہے۔" بے بسی کی انتہا تھی۔

"اچھا اس وقت اندر....."

"پتا ہے طارم! آج اسے گئے ہوئے ایک سال ہو گیا ہے' پورا سال..... بارہ مہینے اور میں جانتا ہوں' میں کیسے زندہ ہوں' بار بار اسی جگہ جاتا ہوں وہ جہاں ملی تھی کہ شاید دوبارہ اس کی ماں اس کا سودا کر دے اور وہ گھر سے بھاگ آئے..... طارم! وہ بھولتی ہی نہیں' لگتا ہے' اس کے ساتھ کوئی اور زیادتی ہوئی تھی جو وہ یوں چھپ کر بیٹھ گئی ہے خوف میں؟"

نم آنکھیں..... اندیشوں بھرا لہجہ..... طارم کا سکتہ ٹوٹ گیا۔

"ہاں' شاہ میر.....! اس کے ساتھ ظلم ہوا تھا' میں نے کیا تھا اس کے ساتھ ظلم۔" وہ چلاتی ہوئی کھڑی ہوئی۔

شاہ میر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں نے' میں نے نکالا تھا اسے شاہ میر.....! وہ میرے حق پر ڈاکہ ڈال رہی تھی کیونکہ بہت حسین تھی نا وہ..... میں نے اس کا حسن ختم کر دیا تاکہ وہ دوبارہ کسی کے حق پر ڈاکہ نہ ڈال سکے۔ میں نے تیزاب گرا دیا تھا اس کے حسین چہرے پر۔ تمہاری ماں نے اسے باہر پھنکوا دیا تھا۔"

غصہ' نفرت' جنون' آگ' سب کچھ اکٹھا ہو گیا..... صبر کی انتہا ہو گئی۔ طارم مصطفیٰ پھٹ پڑی تھی۔

"نن..... نہیں.....! تم جھوٹ بول رہی ہو مجھے تڑپانے کے لیے۔" وہ بے یقینی سے گردن نفی میں ہلاتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہی' وہ دفع ہو گئی ہے' میں نے چڑیل بنا کر اسے یہاں سے دفع کر دیا ہے تاکہ اس کا سایہ بھی تم پر نہ پڑے۔ تم میرے ہو' صرف میرے۔" وہ اس کا گریبان جھنجھوڑنے لگی۔

"طارم.....! تم جھوٹ بول رہی ہو' کہہ دو کہ تم جھوٹ بول رہی ہو۔" شاہ میر نے غصے سے کپکپاتے ہوئے طارم کا گلا پکڑ لیا۔

"نہیں.....!" وہ کھانسی۔

"ہاں' طارم.....! تم..... جھوٹ..... بول رہی ہو۔" وہ دیوانہ وار اس کے منہ پر چانٹے مارنے لگا۔ طارم سنگ مرمر کے فرش پر جا گری۔

"ہاں' میر.....! میں نے اسے نکالا ہے' میں نے....."

دو پاگل ایک دوسرے کی حد دیکھنا چاہتے تھے۔

"طارم.....! میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔ میں اپنی ماں کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔" اس نے سفاک لہجے میں کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆.....☆

"صاب.....! بڑی بی بی نے تو طارم بی بی کو منع کیا تھا کہ اتنا بڑا قدم مت اٹھاؤ..... بس سختی سے کہہ کر گھر سے نکال دو....." قہر برساتی نگاہوں نے نوراں کے لب دوبارہ بند کر دیے۔ "صاب! اس میں میرا کیا قصور ہے جو طارم بی بی....."

"چپ کرو' چپ کرو....." وہ دھاڑتا ہوا شنو کی طرف بڑھا تھا۔ وہ نیچے گر کر کپکپانے لگی۔ "تم سب اپنا بندوبست کر لو' تم میں سے ایک کو بھی میں اب اس حویلی میں برداشت نہیں کر سکتا اور قسمت اچھی تھی جو کرم دین پہلے ہی حویلی چھوڑ گیا۔ تم سب سے' سب سے پوچھا تھا نا میں نے کہ اگر کوئی اور بات ہے تو مجھے بتا دو' کوئی کچھ نہیں کہے گا۔" وہ دانت پیستا ہوا کہہ رہا تھا۔

"صاب! طارم بی بی بہت زور زور سے رو رہی ہیں۔"

طارم کو اس نے کمرے میں بند کر دیا تھا۔ دل میں چھپی نفرت کچھ اس طرح باہر نکلی تھی کہ شاہ میر کو اس کی شکل دیکھنے پر جنون سوار ہو رہا تھا۔ وہ غصے سے ملازم کو گھورتا رہا اور پھر طارم کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اندر سے رونے کی آوازیں بدستور آ رہی تھیں۔ وہ دروازہ کھول کر اندر چلا آیا۔ ملگجے کپڑے' سرخ چہرہ' سوگوار حسن قیامت ڈھا رہا تھا' پر شاہ میر حقارت سے دیکھتا رہا' کس کس بات کا دکھ نہ کرتا وہ' کس کس بات پر غصہ نہ آتا اس کو۔ وہ سسک سسک کر رو رہی تھی۔ شاہ میر کی نگاہوں میں اماں جان کا چہرہ گھوم گیا۔

"بند کرو یہ رونا اب۔" وہ حتی المقدور نرم ہو کر بولا۔

طارم نے آہستگی سے گھٹنوں سے سر اٹھایا۔

"تم میرے ہو میر.....! صرف میرے۔"

"تم پاگل ہو گئی ہو' محبت چھیننا چاہتی ہو۔" وہ حیرت سے دیکھنے لگا۔

"ہاں' میں پاگل ہوں' پاگل ہوں میر.....! پر تمہاری بیوی ہوں' بیوی ہوں تمہاری۔" وہ زور زور سے چلائی اور پھر ہنستی چلی گئی۔ زوردار ہنسی' کپکپا کر رکھ دینے والی ہنسی' سچ مچ کسی پاگل کی ہنسی.....

☆.....☆

خزاں رسیدہ زرد پتے..... نم ہوا..... مرجھائے پھول..... وقت تھما ہوا..... سانسیں گھٹی ہوئیں..... تیزاب گرنے کی جلن تو بہت زیادہ ہوتی ہے نا..... تیزاب گرنے سے تو جلد جھلس جاتی ہے' جانے کتنے چہرے نفرتوں کی بھینٹ چڑھتے ہیں؟ کبھی اپنوں کی' کبھی غیروں کی' اتنی درندگی' اتنا ظلم' کیا ایسا انسان دوسروں کی چیخیں سن کر اپنے اندر کی چیخوں کو ختم کرنا چاہتا ہے؟ کیا انسان کسی کی ہیئت بگاڑ کر خود کو معتبر' محفوظ اور بہت طاقت ور سمجھنے لگتا ہے لیکن یہ کیسا انتقام ہے؟ یہ کون' کیسے لوگ تھے؟ کیوں بنائی ایسی چیزیں' کیا ان کے بغیر دنیا نہیں چل رہی تھی؟ کیوں اتنی ترقی کر کے انسان انسانیت ہی بھول گیا..... محبت فراڈ ہے..... عشق' یہ کیسا عشق ہے؟ جو دنیا میں ہی آپ کو قبر جیسی کال کوٹھری میں پہنچا دے جہاں آپ کے اپنے بھی اپنے نہ رہیں..... یہ کیسی محبت ہے جو آپ کو نفرت پر مجبور کر دے۔ یہ کیسی چاہت ہے جو آپ کو راحت سے محروم کر دے..... یہ کیسی خواہشات ہیں جو دوسروں میں محرومی کا احساس پیدا کر دیں۔

کالے بادل' نیلا آسمان..... کالا اور نیلا رنگ گھل ہوتے ہوئے بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ زوردار گرج پر اس نے نم نگاہیں اوپر اٹھائیں۔ سرسراتی ہوا اس کے وجود کو چھونے لگی۔ عجب سی خوشبو شامل تھی اس میں۔ "محبت خوشبو ہے" ہوا سرگوشی بھی ساتھ لائی تھی۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ خوشبو بھلا کہیں قید ہو سکتی ہے؟ آس کے جگنو اس کے اردگرد جگمگا اٹھے۔ وہ آہستگی سے اٹھا اور گیراج کی طرف بڑھ گیا۔ سعد بتا رہا تھا کہ وہ مینٹل ہاسپٹل گیا تھا۔ طارم نے وہاں دو لڑکیوں کو زخمی کیا ہے۔ ڈاکٹرز بہت سخت ٹریٹ کریں گے اس کے ساتھ' تو اسے واپس حویلی لے آ۔ کہیں مر نہ جائے۔ اتنی جلدی سزا ختم ہو جائے گی' وہ فکرمند تھا۔ ماں کی امانت' بی جان کی خوشی' کچھ یاد ہی نہیں تھا۔ وہ شاہ میر نہیں تھا' وہ بھٹکا ہوا مسافر' ڈسا ہوا انسان' پیاسا شخص تھا۔

گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی۔

☆.....☆

"حیدر! اب تو بڑا ہو گیا ہے' یوں مشی سے بات بات پر لڑا نہ کر۔ بہن ہے وہ تیری۔" کشمائن نے پیار سے حیدر کو سمجھایا۔

"باجی! وہ تیرے جیسی تھوڑی ہے جو مجھے کچھ نہیں کہتی' وہ تو سارا دن بس مجھے نیچا دکھانے میں لگی رہتی ہے۔ بھلا پندرہ سو' اٹھارہ سو میں گھر چلتا ہے؟ سارا گزارہ تو میرے 3,000 میں ہو رہا ہے پھر بھی ایسے اکڑتی ہے جیسے بس ساری محنت وہی کرتی ہو۔" حیدر کے لہجے میں زعم تھا' غصہ تھا' معصوم سی شکایت.....

وہ بے ساختہ مسکرا دی لیکن اندر ایک چبھن سی اٹھی تھی۔ اس نے اتنے برے حالات میں بھی لڑکی ہو کر ایف۔ اے کیا تھا پر مشی نے صرف میٹرک اور حیدر تو مڈل کر کے ہی فیکٹری پہنچ گیا۔ اس نے سرعت سے نم نگاہیں رگڑیں شاید اس رقم سے ان دونوں کا مستقبل سنبھل جاتا جو اماں کو انور سے ملتی۔ احساس جرم تھا اس کے اندر' ملامت سی ہوئی تھی خود پر.....

"باجی! اب اتنی اداس کیوں کھڑی ہوگئی ہے؟ چائے بنا کر دوں تجھے؟"

"پاگل ہوگیا ہے، سو جا، صبح فیکٹری بھی جانا ہے۔" اس نے پیار سے اس کے بال چھوئے اور واپس اپنے کمرے میں جانے لگی۔

"کشمائن.....!" اماں کھانسی کے دوران پکار رہی تھی۔

"اماں.....! کیا ہوا؟" وہ پیار سے پاس آ گئی۔

"میری گولیاں دے مجھے، سینے میں درد ہو رہا ہے۔" درد سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

وہ تیزی سے اسٹول کی طرف بڑھ گئی لیکن گولیوں کا پیکٹ خالی تھا۔ اماں زور زور سے کھانسنے لگی۔

"اماں.....! اور دوائیاں کہاں رکھی ہیں؟ اسٹول پر تو خالی پیکٹ پڑے ہیں۔"

لیکن ایک طویل سلسلہ کھانسی کا..... چہرہ سرخ، آنکھیں کھلتیں، کبھی بند ہوتیں..... وہ از حد فکر مند ہوگئی۔

"مشی.....! مشی.....!" اس نے زور زور سے پکارا تو وہ بھاگ آئی۔ "الماری میں سے اماں کی دوائیاں نکالو۔"

"کشمائن.....! کشمائن.....!" وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھیں۔

"ہاں، ہاں اماں.....! میں سن رہی ہوں۔"

"تو میرے پاس بیٹھ جا۔" انہوں نے پہلی بار ایسی فرمائش کی تھی۔ وہ روتی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"اماں.....! تو ٹھیک ہو جا، تیرے بغیر کیا ہوگا گھر کا؟" وہ آنکھیں رگڑنے لگی۔

"باجی.....! دوائیاں ختم ہیں، حیدر کو کہو، لے آئے گا۔"

"حیدر ابھی تو فیکٹری سے آ کر سویا ہے۔" اس کی پریشانی بڑھ گئی۔

"باجی.....! اماں کی طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔" مشی، ماں کو زور سے سانس لیتا دیکھ کر بولی۔

"تو مجھے پرچی دے، میں دوائی لاتی ہوں۔" وہ اٹھ کر الماری سے پیسے نکالنے لگی۔

"باجی.....! اتنی رات کو اکیلے.....؟"

"کچھ نہیں ہوتا مجھے۔" اس نے کندھوں پر لپٹی چادر آدھے سے زیادہ منہ پر لپیٹ لی۔

"دیکھ کر جانا، حیدر کو اٹھا دوں؟ میں چلوں؟"

مشی کا خوف پیچھے ہی رہ گیا اور وہ تیز تیز قدم اٹھا کر گلی سے بھی باہر نکل گئی۔ سنسان سڑک پر چلتی چلتی دائیں طرف میڈیکل اسٹور کی طرف مڑ گئی۔

"اب کیا کروں؟"

دوائی دستیاب نہیں تھی، اتنا بڑا اسٹور..... اسے حیرت بھی ہوئی، فکر بھی۔ وہ دوسرے اسٹور کی طرف بڑھ گئی۔ بادلوں سے ڈھکا آسمان، دنیا پر چھائی تاریکی، وہ درود شریف کا ورد کرنے لگی۔ آخر کار دوائی مل گئی۔ وہ بے تحاشہ خوش تھی، تیز قدم، جلدی کی تمنا، پر بارش ہوگئی، اس کے قدم اکھڑنے لگے۔ اسے بارش میں نہانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ وہ کوئی شیڈ تلاش کرنے لگی۔

"شکر ہے خدا کا!" سامنے ایک گاڑی کھڑی تھی، اس نے چادر منہ پر کھینچ لی۔ آنکھوں میں ماں کا چہرہ، مشی کا خوف زدہ لہجہ، وہ واحد حل سمجھ کر گاڑی کے پاس آ گئی۔

"پلیز، مجھے ادھر تھوڑی دور جانا ہے، ادھر پیچھے جو ہوٹل ہے، اس کے پاس والی گلی میں آپ مجھے پہنچا دیں گے؟" ملتجی لہجہ..... نہ رات کا خوف نہ تنہائی کا ڈر..... ادھ کھلا شیشہ، اسٹیئرنگ پر سر رکھے کوئی اداس شخص..... جواب نہیں ملا۔ وہ مزید ملتجی ہوگئی۔

"دیکھیں، میری اماں بیمار ہیں....."

"اماں.....!" لہجہ بہت مانوس لگا تھا۔ نہ کوئی وہم نہ گمان..... سماعتوں نے آواز سنی تھی۔ دھیرے سے سر اٹھایا، حیرت سے گردن موڑی..... دو نگاہیں اداس پریشان اور امید بھری..... وہ بے یقینی سے دیکھتا رہا اور ان نگاہوں کو تو وہ ہزار نگاہوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔

"کشمائن.....!" بے ساختہ لب وا ہوئے۔ یخ، وہی آنسو، وہی دکھ..... یہ وہی تو تھی۔ وہ رات سے گاڑی کا دروازہ کھولنے لگا۔ وہ حیرت سے مجسمہ بنی کھڑی تھی۔ شدید حیرت سے۔

"کشمائن.....!" وہ اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"نہیں.....!" وہی لرزتا انکار، نفی میں ہلتی گردن..... وہ سرعت سے مڑی تھی اور جیسے ہی قدم اٹھنے لگے، شاہ میر نے جھٹکے سے بازو تھامنا چاہا پر چادر ہاتھ میں آ گئی۔ وہ دور کھڑی تھی۔ چہرے پر دونوں ہاتھ رکھے بارش میں بھیگ رہی تھی۔ چہرہ، گردن دونوں چھپے ہوئے تھے۔ وہ مرتعش وجود کے ساتھ اس کے بالکل قریب چلا آیا۔

"میں کشمائن نہیں ہوں۔" تڑپتی ہوئی صدا تھی۔ اس نے دھیرے سے چہرے پہ رکھے ہاتھ ہٹا دیے۔

"کہاں گرا ہے تیزاب.....؟" اس نے حیرت سے گالوں کو چھوا۔ جھلسی ہوئی، کھردری، لٹکی ہوئی جلد اس کی ہتھیلیوں پر چبھنے لگی۔ وہ جھٹکے سے دور ہوگیا۔ آدھی گردن، بایاں گال..... نفرت کی انتہا، ثبوت کے طور پر اس کا چہرہ..... وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ بارش میں بھیگتا..... وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر رونے لگا۔

"مجھے معاف کر دو کشمائن.....! میں گنہگار ہوں تمہارا..... میری وجہ سے ہوا نا یہ سب.....؟"

ایک لمحہ، ایک لمحہ بھی وہ اپنے دل کو اس شخص کی بہت سے خالی نہیں کر پائی تھی جو اس وقت یوں دگرگوں حالت میں بیٹھا تھا مجرموں کی طرح، معافی کا طلب گار بن کر.....

"شاہ میر.....! آپ ایسے مت کہیں، آپ تو..... میں....." وہ اسے بے ربط جملوں سے چپ کرانے لگی۔ "پلیز، چپ کریں۔"

بھیگتی آنکھیں، بھیگتے وجود..... ایک لمحے میں وہ اٹھنے لگے۔ شاہ میر نے گہری نگاہیں اس کے چہرے پر جما دیں۔ وہ بے ساختہ نگاہیں جھکا گئی۔

"اماں بیمار ہیں؟"

"ہاں.....!"

"چلو.....!" اس نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

وہ خاموش بیٹھی تھی۔ کبھی کبھی خاموشی ہی وہ باتیں کرتی ہے جو ہم کبھی بھی نہیں کر سکتے..... اس نے پتا بتایا تھا اور چادر اچھی طرح درست کرتی ہوئی باہر دیکھنے لگی۔ سرخ چہرہ، بے تاب سی آنکھیں، وہ اسے اترتا ہوا دیکھنے لگا۔ وہ اتری اور پیچھے مڑ کر دیکھے بنا گلی کے پانچویں گھر میں گھس گئی۔

☆.....☆

رات کا پچھلا پہر، چودھویں کا چاند، معطر فضائیں، دل سوز، عجب سرمستی سی چھائی تھی ماحول میں، ہر شئے جھوم رہی تھی۔ سرخ جوڑا، کتنی خوب صورتی سے سجایا گیا تھا اس کو۔ وہ سرخ، خوب صورت دوپٹہ چہرے پر لپیٹے حوض کے پاس کھڑی تھی۔ نیلا پانی، چاند کا عکس، الماس کے پیالے گلاب کے میرون پھولوں کی پتیاں، وقت اسے وہیں لے آیا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ آگے..... اس نے خواب دیکھنا چھوڑ دیے تھے۔ وہی حویلی، وہی چاند، وہی پھول، خوشی کے جگنو اس کے اردگرد جگمگا رہے تھے۔ دو آنسو آسودگی سے بہتے ہوئے اس کے گال پر بہہ گئے۔ بے یقینی، حیرانگی کی رو۔ خدا اس پر مہربان ہوا تھا۔ اتنی ڈھیر ساری خوشیاں شاید اس کی تو ہر دعا دنیا میں ہی پوری ہوگئی تھی لیکن دل یکدم بجھ سا گیا تھا۔ وہ اب اس قابل ہی کب تھی۔ آنسو روانی سے بہنے لگے۔

"کشمائن.....!" پیار سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ وہ رخ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔

"کشمائن.....!" وہ اس کے سامنے چلا آیا۔ خوشی کے سارے رنگ اس کی آنکھوں میں، اس کے لہجے میں جھلک رہے تھے۔ "تمہارا چہرہ، تمہاری آنکھیں، تمہاری ہنسی، تمہارے آنسو پہلے

سے زیادہ خوب صورت اور اہم ہو گئے ہیں۔ تمہیں کیا معلوم' دوری نے ہماری محبت کو' عشق کو کس قدر نکھار کر کس سطح پر پہنچا دیا ہے۔ میں نے تمہاری خوب صورتی سے محبت کی ہوتی تو شاید آج تمہیں پانے کے بعد دل یوں سرمست نہ ہو رہا ہوتا۔ ایک آرزو تھی جو پوری ہو گئی ہے' وہ آرزو میری زندگی پر محیط تھی۔ تم میری ہو' یہ احساس بہت دلکش ہے۔" اس نے پیار سے اس کا دوپٹہ اس کے گال سے ہٹایا تھا۔ وہ بے اختیار اس کے کندھے سے لگ کر رو دی۔

"محبت مرتی کیوں نہیں شاہ میر.....! اسے دبانا چاہو تو یہ ہمارے اندر سرایت کر کے ہماری ذات کیوں بن جاتی ہے؟ میں نے کتنی کوشش کی کہ آپ کو بھول جاؤں' چاند کے تمنائی بھلا آسودہ ہو سکے ہیں؟ لیکن ہر سعی ناکام' ہر کوشش ناکارہ' جانے کون سی نیکی' کون سی دعا مقبول ٹھہری ہے جو آج یوں ہم....."

وہ بے خودی کے عالم میں بول رہی تھی۔ شاہ میر نے مسکرا کر اپنا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھ دیا۔

☆.....☆

اماں کے انتقال کو دسواں دن تھا۔ اس کے نکاح کے دوسرے دن ہی اماں فوت ہو گئی تھیں۔ وہ بلکتی ہوئی شاہ میر کے ساتھ آئی۔ مشی و حیدر بے یار و مددگار اس کا انتظار کر رہے تھے۔ رشتے دار تو پہلے ہی برائے نام ملتے تھے' جب سے وہ گھر چھوڑ کر گئی تھی' سب زیادہ ہی حقارت دکھانے لگے۔ شاہ میر نے اسے ایسے سنبھالا تھا کہ آج دسواں دن تھا۔ شاہ میر نے حیدر کو اسکول میں اور مشی کو کالج میں ایڈمیشن دلوا کر ہاسٹل میں کمرے دلوا دیئے تھے۔ وہ حیرت سے سب کچھ ہوتا دیکھ رہی تھی۔

"ہم نے کل امریکا جانا ہے' تم تیاری کر لو۔" وہ سارے انتظام کر چکا تھا۔ اس کی اور اپنی چیزوں کی پیکنگ کروا کر بریف کیس اس کے گھر ہی لے آیا تھا۔

"امریکا کیوں؟"

"کام ہے کچھ۔" وہ خاموشی سے چلا گیا۔ اس طوفانی رات کو اسے گھر چھوڑ کر وہ اگلے دن صبح ہی آ گیا تھا۔ وہ مبہوت سی تھی۔ وہ اماں سے اس کا ہاتھ مانگ رہا تھا پھر آن کی آن میں ہفتے کے اندر اندر اس کا نکاح بھی ہو گیا اور وہ حویلی آ گئی۔ مچلتے سوالات ابھی لبوں پر بھی نہیں آئے تھے کہ شاہ میر نے خود ہی بتا دیا کہ بی جان بیماری سے اور اماں جان صدمے سے وفات پا گئیں۔

"اور طارم؟" اس نے خوف زدہ سے لہجے میں پوچھا تھا۔

"طارم.....!" وہ حقارت سے ہنسا۔

"اس کو اس کا عشق نگل گیا' کار ایکسیڈنٹ میں مر گئی وہ۔"

"اتنا سب کچھ ہو گیا' مجھے خبر ہی نہیں ہوئی۔" وہ رونے لگی۔ بے ساختہ' بے اختیار۔ پچھلے گزرے لمحے' نفرت' محبت آمیز یادیں ذہن پر گھومنے لگیں۔ وہ ساری رات روتی رہی تھی اور پھر صبح اماں کا دکھ مل گیا تھا۔

☆.....☆

"شاہ میر.....!" وہ حیرت سے بچوں کی سی حیرت سے بے یقینی کے ساتھ اپنے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ جگمگاتا چاند سا چہرہ کوئی داغ نہ گال پر نہ گردن پر چمکتی آنکھیں..... وہ پہلی سی تو نہ لگ رہی تھی۔

"مبارک ہو نئی زندگی' نیا چہرہ' نئی خوشی' نیا ساتھ۔" اس کے قریب آ کر وہ دھیرے سے بول رہا تھا۔ وہ اسے امریکا لایا تھا اور اسے کچھ بتائے بغیر ہاسپٹل لے آیا تھا۔ پلاسٹک سرجری کے مختلف مراحل کے بعد اب وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔

"تھینک یو میر.....! تھینک یو.....! میں اتنی خوش نصیب کیسے ہوں؟ کیا کوئی اتنا خوش نصیب بھی ہوتا ہے؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر

رہی تھی۔ "آپ کی وجہ سے۔" پھر وہ کہہ کر خود ہی ہنس دی۔

شاہ میر نے اسے پورا نیویارک گھمایا تھا' شاپنگ کرائی اور اپنے فرینڈز کے گھر لے گیا۔ وہ خوش تھی' بہت خوش' واپسی پر اس نے مشی کے لیے' حیدر کے لیے' حویلی کی تمام نئی پرانی ملازمین کے لیے گفٹس لیے تھے۔ وہ ایک لمبے ٹور کے بعد لوٹے تھے۔

☆.....☆

"اتنی بڑی حویلی پتا نہیں شاہ میر اکیلے سنبھالتے ہیں؟ اتنی زمینیں..... داد دینی پڑے گی تمہارے صاحب کو۔" وہ ملازماؤں کے ساتھ حویلی کی صفائی کرواتی ہوئی ان سے بول رہی تھی۔

"صاب تو اب حویلی پر توجہ دینے لگے ہیں آپ کے آنے کے بعد' پہلے تو بالکل ویران ہو گئی تھی یہ حویلی' چ آسیب زدہ..... جیسے کوئی رہتا ہی نہ ہو یہاں۔" منو دکھ سے بتا رہی تھی۔

"اچھا چلو' اب میں آ گئی ہوں نا' حویلی کی رونقیں پھر سے آباد ہوں گی۔"

وہ صفائی کرواتی ہوئی حویلی کے پچھلے حصے میں آ گئی۔ شام ہونے کو تھی۔ وہ جلدی کام ختم کرنے کا حکم دیتی کاریڈور میں چلی آئی۔ وہ پچھلے صحن میں جانا چاہ رہی تھی معاً کسی آواز پر رک گئی۔ "کیسی آواز ہے یہ.....؟" وہ کان کھڑے کیے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ آواز بدستور آ رہی تھی۔ کسی کے چیخنے کی آواز۔ وہ بھاگ کر کاریڈور کے آخر میں آ گئی صحن کے پاس لیکن آواز پیچھے سے آ رہی تھی۔ کوئی ہنس رہا تھا زور سے' بہت زور سے..... اس کا دل کانپنے لگا جیسے واقعی حویلی میں آسیب ہو۔ وہ پاگلوں کی طرح بھاگی اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ وہ بدحواس سی آئی تھی' بری طرح باہر نکلتے شاہ میر سے ٹکرا گئی۔

"گک..... کیا ہوا؟" وہ بوکھلا گیا۔

"شاہ میر! وہ..... وہاں..... آوازیں..... رونے کی..... ہنسنے کی۔" وہ کانپتی ہوئی بول رہی تھی۔

"کہاں؟"

"وہاں' پچھلے حصے میں۔" وہ بچوں کی طرح رونے لگی۔

"اوہو مسز.....! آپ وہاں مت جایا کریں۔ کچھ ملازمین بھی شکایت کر چکے ہیں۔ لگتا ہے' کسی مولوی کو بلوا کر پڑھائی کروانی پڑے گی۔" وہ بے فکری سے کچھ سوچتا ہوا نہایت سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

"گک..... کیوں.....؟ کیا وہاں؟"

"تم تو خدا کے اتنے قریب ہو' ان بھوت پریت سے ڈر رہی ہو؟ چلو شاباش' ہمت کرو' تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ میں ذرا کچھ کام سے جا رہا ہوں' جلدی آؤں گا۔ اتنی بڑی حویلی ہے' کیا ہم تھوڑی سی جگہ خدا کی اس مخلوق کو نہیں دے سکتے؟"

وہ حیرت انگیز سی بات پیار سے کہتا کمرے سے نکل گیا۔ وہ حیرت کا مجسمہ بنی بیڈ پر گری اور آیت الکرسی پڑھنے لگی۔

☆.....☆

"بی بی جی! کھانا تیار ہے' کھانا لگا دوں؟"

"ہاں' تمہارے صاحب آتے ہی ہوں گے۔" وہ اداس و پریشان سے لہجے میں بولی اور باہر نکل آئی۔

موسم نہایت خوش گوار تھا۔ وہ عجیب و غریب کیفیت میں آ کر لان میں چیئر پر بیٹھ گئی۔ بے شک وہ شاہ میر کی باتوں سے کچھ باہمت ہو گئی تھی۔ ساری رات کچھ نہ کچھ کلام پاک پڑھتی رہی تھی لیکن دل کو کچھ دھڑکا سا لگ رہا تھا۔ آوازیں کسی انسان کی سی تھیں' جیتے جاگتے انسان کی۔ وہ پچھلے حصے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کاریڈور سے شیر علی برآمد ہو رہا تھا' ہاتھ میں ٹرے لیے ہوئے۔ "شیر علی.....! شیر علی.....!" اس نے حیرت سے آواز دی۔

شیر علی بوکھلاتا ہوا نظر آیا تھا۔ ٹرے دور گھاس پر رکھی اور کشمائن کی طرف بھاگ آیا۔ "جج..... جی بی بی!" وہ پریشان دکھ رہا تھا۔

"تم وہاں کیا کر رہے تھے؟"

"وہ جی' کچھ صفائی کروانی تھی۔"

"کس جگہ کی.....؟"

"وہ جی.....! صاحب.....اس لیے....."

"اتنا بوکھلا کیوں رہے ہو؟" وہ حیرت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی بی بی.....! مجھے بہت کام ہیں۔" وہ رکا نہیں بلکہ بڑے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ حیرت سے اس کی حالت پر غور کرتی رہی۔ زنانہ حصے میں صرف وہ ہی تھا تو جو یوں بغیر پردے کے چلا آتا تھا۔ وہ سر تھام کر بیٹھ گئی' تبھی اس نے سامنے دیکھا تھا' کوئی بہت تیزی سے کاریڈور میں جا رہا تھا۔ وہ بے اختیار اٹھی اور بھاگتی ہوئی کاریڈور میں پہنچ گئی۔ نوراں ایک کمرے کا دروازہ کھول رہی تھی' اس کو دیکھ کر رک گئی۔

"جی' جی' وہ گندم نکلوانی ہے۔" وہ کپکپا رہی تھی۔

"تو کھولو دروازہ۔" وہ اس کے قریب چلی آئی۔ نوراں نے کانپتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اعتماد دکھاتی اندر آئی تھی۔ یہ حصہ اناج کی بوریوں سے بھرا پڑا رہتا تھا۔ پہلے بھی وہ یہاں کم ہی آئی تھی۔ اندر بوریاں ہی بوریاں پڑی تھیں۔

"تم اٹھاؤ گی یہ بوریاں؟" وہ حیرت سے دیکھنے لگی معاً ایک چلاتی ہوئی آواز سماعتوں سے ٹکرائی تھی' پھر ہنسنے کی۔ وہ چونک گئی۔ نوراں کانپنے لگی۔ اب رونے کی آواز آ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد جامد خاموشی.....

"نوراں.....! یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ نوراں.....! بتاؤ؟" وہ پاگل سی ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ "نوراں.....! بتاؤ نا....." اس نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔

"بی بی جی' طارم بی بی پاگل ہو گئی ہیں....."

"کیا.....؟" وہ حیرت و بے یقینی سے منہ کھولے' آنکھیں پھاڑے کھڑی تھی۔

"صاب نے پاگل خانے داخل کروایا تھا' وہاں کی کچھ عورتوں کو نقصان پہنچایا تو صاب واپس لے آئے..... اب تہہ خانے میں بند ہیں۔ کبھی کبھی تو بالکل نارمل ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی وحشی بن جاتی ہیں۔"

نوراں بول رہی تھی اور وہ صدمے' دکھ اور حیرت کی انتہا پر پہنچ کر زمین پر بیٹھتی جا رہی تھی۔

☆.....☆

"کشمائن! یہاں پر میری ایک فائل رکھی تھی بلیو کور والی' وہ کہاں ہے؟" شاہ میر نے اسے دیوار گھورتا ہوا اسے گم صم بیٹھا دیکھا اور پریشانی سے بک ریک میں بکس ادھر ادھر کرتا ہوا بولا۔

وہ ہنوز سکتے کے عالم میں بیٹھی رہی۔ زرد چہرہ' حیران آنکھیں۔

"کشمائن! فائل مل گئی' چائے لے آؤ' مجھے شہر جانا ہے۔" وہ صوفے پر بیٹھ کر بالوں میں انگلیاں چلانے لگا۔ وہی خاموشی' وہی حیرت.....

"اے' کیا ہوا؟" وہ پیار سے پوچھتا پاس چلا آیا۔ پھٹی پھٹی نگاہوں سے کشمائن نے اسے دیکھا تھا۔ "خیریت؟" وہ مسکرا کر پاس بیٹھ گیا۔ وہ غصے سے سرخ ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے؟" وہ سنجیدہ ہو کر سخت ہو گیا۔

"آپ.....! آپ.....! میر.....! آپ..... مجھ سے اتنا بڑا راز چھپائیں گے آپ؟ مجھ سے اتنا بڑا جھوٹ بولیں گے..... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ اتنے سنگدل' اتنے ظالم ہوں گے۔" وہ دکھ و حیرت سے چٹختے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی۔

"تم شاید طارم کی بات کر رہی ہو۔" اس نے حقارت سے گردن جھٹک دی۔

"جی نہیں' آپ کی اس قیدی کی بات کر رہی ہوں جو آپ نے بیسمنٹ میں قید کیا ہوا ہے؟ کیا حق ہے آپ کو اس طرح اسے رکھنے کا؟ لیکن آپ نے آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ بھی وہی' وہی روایتی وڈیرے ہیں۔ اپنی خوشی' اپنی ذات کے سکون کے لیے کسی کا بھی گلا گھونٹ دینے والے' آپ....."

اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ بولتی' شاہ میر کے زوردار تھپڑ نے اس کو چپ کرا دیا۔ مضبوط ہاتھ نازک چہرہ سرخ کر گیا تھا۔ سلگتی نگاہیں' تپتا ہوا چہرہ' وہ دانت بھینچے دیکھتا رہا اور پھر سرعت سے اٹھا اور کمرے سے نکل کر باہر چلا گیا۔

وہ گنگ رہ گئی تھی۔ خوشیوں بھری زندگی کا پہلا تھپڑ اسے بہت ہی درد دے گیا تھا۔ وہ تکیے پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

آپ نے اچھا نہیں کیا' کم از کم مجھ سے چھپاتے تو نا..... وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ طارم سے کیا کر کیا کرے گی؟ وہ کیوں اسے دیکھنا چاہتی ہے۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اسے سزا دے گی یا معاف کر دے گی؟ وہ تو صرف یہ جانتی تھی کہ کوئی ہے' جسے اس کی ضرورت ہے' اس نے کبھی کسی کے لیے کچھ نہیں کیا تھا۔ وہ کسی کے لیے کچھ کرنا چاہتی تھی' اسے نئی زندگی دینا چاہتی تھی۔

"میری تکلیفیں تو شاید کچھ بھی نہیں تھیں....."

طارم کا تصور کرتے ہی اس کے ہوش اڑنے لگے تو اس نے نوراں کے سامنے دامن پھیلا دیا۔

"نوراں.....! تجھے خدا کا واسطہ ہے۔" آخر نوراں نے ہار مان لی اور اسے ساتھ لے کر پچھلے حصے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ آئی تھی لیکن طارم سو رہی تھی۔ فرش پر بچھے گدے پر' پورے وجود پر سفید چادر پڑی تھی جیسے لاش..... زندہ لاش..... وہ رکی نہیں' دیکھے بنا واپس باہر بھاگتی چلی گئی۔ وہ خوف زدہ ہو گئی تھی طارم کے انجام پر' اتنا بھیانک انجام..... کس بات کی سزا..... اس نے تو عشق کیا تھا۔ حق تو میں نے چھینا ہے۔ پہلے دن کی طرح اس کا اپنا آپ اسے مجرم ثابت کرنے پر تلا تھا۔ وہ کمرے میں آ کر سسکتی رہی۔

☆.....☆

وہ کتنی ہی دیر باتھ لے کر نکلا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں' چہرے پر سختی ہنوز چھائی تھی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ غصے میں تپا ہوا چہرہ' نفرت سے سلگتی ہوئی نگاہیں' بڑے سے آئینے میں اس کا نازک سا عکس نظر آیا تھا۔ وہ غصے کی انتہا پر پہنچ گیا۔ ایک ہفتہ پہلے اس نے کشمائن کو تھپڑ مارا تھا۔ نوراں کے بقول' وہ صرف اسی رات میں بیسمنٹ گئی تھی اور طارم کو دیکھے بنا باہر بھاگ آئی تھی۔ اس کا مطلب ہے' وہ آج دوسری بار طارم کو دیکھنے گئی تھی اور باہر آ کر شیر علی پر برس رہی تھی۔ طارم کے ہاتھ باندھنے پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ سختی سے دیکھتا رہا۔ وہ بے ہوش ہونے کو تھی' دیوار سے لگی کھڑی تھی۔

"کیا سمجھتی ہو خود کو؟" وہ حیرت زدہ غصے میں بولا۔ وہ اس کی طرف معصومیت سے دیکھنے لگی۔

"بہت اچھی' بہت نیک بی بی ہو تم' نرم دل' مسیحا بننے کی کوشش کر رہی ہو۔" وہ لفظ چبا چبا کر بول رہا تھا۔ "لیکن ایک بات یاد رکھو' وہ میری مجرم ہے' اس کی سزا کب ختم کرنی ہے' کیا سزا دینی ہے' یہ میرا ہیڈک ہے۔ تمہیں فضول میں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ محبت کی ہے تم نے' اسے برقرار رہنے دو۔ مرضی کے خلاف چلو گی تو شاید....."

"میر.....! خدا کے لیے! خدا کے لیے! سمجھنے کی کوشش کریں۔ بھلا یہ کون سی انسانیت ہے؟ اتنے بڑے حصے کی' اتنی ساری جائیداد کی مالکن کو یوں قید کر لیا جائے؟ اس کو پاگل کہہ کر انسان بھی نہ سمجھا جائے؟ وہ پاگل تھی' اور ہے' لیکن میں اور آپ تو نارمل ہیں۔ اس نے جو کیا' خدا نے اسے سزا دے دی۔ میر! جب خدا میرے ساتھ اتنا اچھا کر سکتا ہے تو کیا میں کسی کے ساتھ اتنا سا بھی اچھا نہیں کر سکتی کہ اس کے ٹھیک ہونے کی' نارمل ہو کر نئی زندگی جینے کی خواہش کروں؟ اس کے لیے دعا کروں؟ میر' میرے لیے' اپنی محبت کی خاطر' طارم کو باہر نکالیں' اس کا علاج کروائیں۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑے سراپا احتجاج' سراپا التجا بنی بیٹھی تھی۔

"کشمائن.....! پلیز..... جانتی ہو' وہ تمہارے لیے دوبارہ کوئی بہت بڑا مسئلہ بن سکتی ہے۔ بیوی

ہے وہ میری۔"

"تو ہوتی رہے' حق ہے اس کا۔ میں برداشت کرلوں گی' بس اسے باہر لائیں' میں اس کا خود علاج کرواؤں گی۔"

☆.....☆

نکھری نکھری صبح' سرسبز لان میں چھائی بہار' ہر طرف پھول ہی پھول جن پر شبنم پڑی موتیوں کی طرح چمک رہی تھی۔ وہ مبہوت سی ہوکر لان و حوض کا حسن دیکھ رہی تھی۔

"دیر ہورہی ہے پھر لیڈیز کی تیاری میں دیر بھی بہت لگتی ہے۔" ہلکی سی خفگی لہجے سے واضح تھی۔

وہ بے ساختہ مسکراتی ہوئی مڑی۔ "بس میں ابھی تیار ہوتی ہوں۔" وہ سرعت سے باتھ روم میں گھس گئی۔

شاہ میر سنجیدگی سے دروازے کو تکتا رہا اور پھر عجیب و غریب کیفیت میں اٹھ کر باہر چلا آیا۔ "اتنی دھوپ میں کیوں کھڑے ہیں؟" تھوڑی ہی دیر میں کشمائن واپس بھی آ گئی۔ وائٹ کلر کے شیفون کے پرنٹڈ سمپل سے سوٹ میں کیرتک کے گیلے بالوں میں وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ وہ مبہوت سا ہوکر دیکھنے لگا۔

"نوراں بتا رہی تھی کہ اگر آپ پیار سے بات کرتی ہیں تو طارم ہر بات مان لیتی ہے۔ پیار سے لے بھی آئیں اب اس کو۔" وہ بے تاب سی ہورہی تھی۔ وہ غصے سے تیز تیز قدم اٹھاتا پچھلی طرف مڑ گیا۔ نوراں سے طارم کی حالت تو صبح ہی درست کروالی تھی۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ درخت سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔ لمحہ گزارنا مشکل ہورہا تھا۔

اجڑی سی حالت' ویران سی آنکھیں' کبھی بلیک رنگ کتنا جچتا تھا اس پر..... شاہ میر کے ساتھ کچھ فاصلے پر وہ زمین کو گھورتی ہوئی آ رہی تھی۔ کشمائن کا دل رکنے لگا معاً طارم نے نظریں اٹھا کر دیکھا اور اس پر نگاہیں جما دیں۔ وہ اب اسے گہری نگاہوں سے' ہوش مند انسانوں کی طرح دیکھ رہی تھی اور پھر اچانک ہی تیزی سے بھاگی تھی اور آ کر اس پر حملہ کردیا۔

"تو..... تو..... ڈائن..... تو پھر آ گئی..... تو وہی ہے..... تو نے مجھ سے میرا میر چھینا ہے۔" طارم بری طرح اس کے بال نوچنے لگی تھی۔ کشمائن کی بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔

"طارم.....! طارم.....!" شاہ میر تیزی سے آگے آیا اور طارم کو جھٹکے سے پرے کیا اور نہایت شدید غصے میں ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا اور ایک مزید مارنے کے لیے جیسے ہی ہاتھ اٹھایا' کشمائن نے ہاتھ تھام لیا۔

"میر پلیز' ماریں نہیں۔" وہ حد درجہ خوف زدہ تھی' طارم کے جنون سے یا میر کے غصے سے.....

طارم زمین پر پڑی خوف سے کانپتی ہوئی شاہ میر کو دیکھتی دیکھتی پیچھے ہورہی تھی۔

"دیکھ لیا اسے باہر لانے کا انجام.....؟ اور کرو بھلائی..... اور بنو مسیحا....." وہ غصے سے چلا رہا تھا۔

"میر.....! اسے ہاسپٹل لے جائیں۔" کشمائن نے لجاجت سے کہا۔

طارم اب بے ہوش ہونے کو تھی۔ شاہ میر نے لمبی سانس خارج کی۔ آگے بڑھ کر طارم کا بازو مضبوطی سے تھام کر اٹھایا اور گیراج کی طرف بڑھ گیا۔ ہاسپٹل پہنچنے تک طارم ہوش کھو چکی تھی۔

☆.....☆

شاہ میر گھٹنے سے خاموش بیٹھا تھا۔ اس کے بالکل سامنے سپاٹ چہرہ لیے وہ ایک گھٹنے سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ سرخ چہرے' سرخ آنکھوں کے ساتھ آنسو رک ہی نہیں رہے تھے۔ اسے یہاں آئے ہوئے پورا مہینہ ہوگیا تھا' وہ کچھ نارمل ہوگئی تھی' مکمل تندرست نہیں' وہ بولنے لگی تھی' پہچاننے لگی تھی۔ ڈاکٹر نے کشمائن کو اس کے علاج کے دوران سختی سے اس کے پاس آنے سے منع کیا تھا۔

"رات نیند آ گئی تھی؟" گھنٹے بعد سوال کیا۔

"ہاں.....!" وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

"اچھا' میں چلتا ہوں۔" وہ نظریں جھکا کر اٹھ گیا معاً طارم کی نظریں کھڑکی کی طرف گئی تھیں اور وہ پہچان گئی۔ وہ کشمائن تھی۔ اس کی نظروں کا ارتکاز محسوس کرکے فوراً وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ وہ حیرت سے کھڑکی کو دیکھتی رہی۔ نوراں وغیرہ کے ذریعے اسے یہ تو پتا چل ہی گیا تھا کہ کشمائن اب شاہ میر کی بیوی ہے اور اس کا علاج بھی وہی کروا رہی ہے۔

"خدا حافظ! طارم!" وہ چلا گیا۔

وہ دیکھتی رہی دروازے کو' کھڑکی کو..... یہ کیا ہورہا ہے؟ یہ کیوں ہورہا ہے؟ یہ میرے پاس آخر کیوں آتی ہے؟" وہ رونے لگی زور زور سے اور نرس نے اسے سکون کا انجیکشن لگا دیا۔

☆.....☆

باہر برف پڑ رہی تھی اور وہ کھڑکی کھولے کھڑی محویت سے دیکھ رہی تھی۔ بلیک اوورکوٹ میں اس کا جگمگاتا چہرہ' لیئرز کٹ ریڈش بلیک بالوں کے ساتھ وہ خوب صورت گڑیا لگ رہی تھی۔ حسن لوٹ آیا تھا۔ ہوش لوٹ آیا تھا۔ وہ نارمل ہوچکی تھی۔ انگلینڈ کے ہاسپٹل میں اس کا علاج بہت کامیاب رہا تھا لیکن زبان جیسے تالو سے چپک گئی تھی۔ حیرانی' ملامت' دکھ' خوف' نارمل انسان کی زندگی بھی تو کتنی مشکل ہوتی ہے.....

"طارم! چائے پی لو۔" پتھر سا شخص کچھ کچھ نرم پڑ گیا تھا اور اب چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ کر واپس کچن میں جا چکا تھا۔ وہ ایک مہینے سے شاہ میر کے ساتھ انگلینڈ آئی ہوئی تھی اور اب اس سن ڈے کو واپس جانا تھا۔ وہ آہستگی سے آئی' کپ کو دیکھا اور ٹیرس میں آ گئی۔ بلیک جینز' بلیک ٹی شرٹ' وہ تنہا اور چپ کھڑا تھا۔

"یہ پہن لیں' سردی بہت ہے۔" اس نے اپنا اوورکوٹ اس کے کندھوں پر رکھ دیا۔

ایک گہری نگاہ شاہ میر نے اس کو دیکھا اور پھر خاموشی سے بغیر کسی تاثر کے ساتھ کوٹ ٹیبل پر رکھا اور کرسی پر رکھا اپنا بلیک کوٹ اٹھا کر پہن لیا۔

"ابھی تک ناراض ہو؟" وہ ڈرتے ڈرتے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں.....!" سپاٹ سا لہجہ تھا۔ طارم کی آنکھیں بھر آئیں۔ بی جان' خالہ جان' اس نے کتنے عظیم رشتے کھو دیئے تھے اور اپنے پاگل پن میں انہیں روئی بھی نہیں تھی۔ وہ سرعت سے اپنے کمرے میں آئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی لیکن شاہ میر نے اسے روکا نہیں۔ وہ پہلی بار تو اس کے علاوہ کسی اور کے لیے رو رہی تھی۔

وہ روتے روتے سوئی تھی۔ صبح آنکھ کھلی تو وہ موبائل پر کسی سے باتیں کررہا تھا۔ وہ مبہوت ہوکر دیکھتی رہی۔

"جلدی اٹھ جاؤ' باہر شاپنگ کے لیے جانا ہے۔" بات کے درمیان ہی توقف کرکے اس نے اسے کہا تو وہ تیزی سے باتھ روم میں گھس گئی۔ اسکائی بلیو کلر کے سوٹ میں میرون گرم کوٹ پہنے وہ بہت پیاری دکھ رہی تھی۔ لندن کی سڑکوں پر وہ شاہ میر کے ساتھ شاپنگ کرتی پھر رہی تھی۔ وہ لیڈیز پرس' جوتے' سوٹ اور جیولری خرید رہا تھا اور وہ جانتی تھی کہ یہ سب کچھ اس کے لیے نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ہے جو ادھر حویلی میں اس کا انتظار کررہی ہے لیکن جانے کیوں آج طارم مصطفیٰ کے دل میں حسد نہیں ابھر رہا تھا۔ جلن نہیں ہورہی تھی کیونکہ شاید اس دل میں یہ جذبے بھی اتنے پروان چڑھے تھے کہ اب بوسیدہ ہوکر دفن ہوگئے تھے' مٹ گئے تھے۔ وہ خود ہی اپنے لیے چیزیں خریدنے لگی۔ شاہ میر نے اس کی مدد ضرور کی لیکن ظاہر کیے بنا' وہ شام کو ہوٹل میں ڈنر کرکے فلیٹ پر پہنچے تھے اور پھر وہ پاکستان جانے کی تیاری کرنے لگی۔ کل صبح کی فلائٹ تھی۔

☆.....☆

خواب سا سر' سراب سی خوشی' بے یقین سا دل' رنگین سے پل' اس کے ساتھ قدم سے قدم ملاتی

ہوئی وہ طارم میر بن کر حویلی لوٹی تھی۔ حیرانی اس کے آنچل کے پلوؤں سے بندھی تھی۔ کاریڈور تک بچھی میرون گلاب کی پتیاں اس کا رستہ بنی ہوئی تھیں۔ وہ شاہ میر کے ساتھ آہستگی سے پھولوں کی روش پر چلنے لگی۔ ریڈ کلر کی نفیس سی ساڑھی' ہلکا سا میک اپ کشمائن کاریڈور کے دروازے پر محبت کی تصویر بنی کھڑی تھی۔ وہ جیسے سکتے کے عالم میں چل رہی تھی۔

کشمائن کے قریب پہنچ کر شاہ میر نے کوئی بات نہیں کی نہ ہی اسے دیکھا بلکہ تیزی سے اندر چلا گیا۔ وہ بجھ سی گئی لیکن پھر اسے دیکھنے لگی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''نوراں.....! بی بی کو ان کے کمرے میں لے جاؤ۔'' کشمائن کچھ خوف زدہ سی تھی۔ نارمل طارم کا غصہ تو شاید پاگل طارم سے بھی برا تھا۔ نوراں نے پیار سے طارم کا بازو پکڑا اور اندر لے آئی۔

وہ شام کو پہنچے تھے۔ طارم رات کو کھانے پر نہیں گئی' وہ دونوں میاں بیوی کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کا مقدر خالی تھا۔ وقت اسے سب کچھ سمجھا گیا تھا۔ صبر کرنا' شکر گزار ہونا اور اپنی غلطی گناہ تسلیم کرنا..... وہ اٹھی اور باہر لان میں آ گئی۔ وہی لان' وہی سب لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ پہلی بار آئی ہے۔ وہ املتاس کے خوب صورت درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

''طارم.....!'' بہت پیار سے کسی نے پکارا تھا۔ اس نے حیرت سے آنکھیں کھول دیں۔ اندیشے اسے خوف زدہ ظاہر کر رہے تھے۔ ''اتنی رات میں باہر کیوں بیٹھی ہو' طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

اتنا اچھا دل' اتنی نرمی' اتنی عاجزی' وہ حیرت سے دیکھتی رہی۔

''طارم.....! جنون کے بعد معقولیت کا دور ضرور آتا ہے..... چیخوں کے بعد خاموشی ضرور چھاتی ہے اور نفرت کے بعد..... محبت ضرور پیدا ہوتی ہے..... یہ تمہاری حویلی ہے' میری نہیں۔ میر پر حق پہلے تمہارا ہے' میرا نہیں۔ یہ ملازمین تمہارے ہیں' میرے نہیں..... ان سب خوشیوں کی پہلی حق دار تم ہو' میں نہیں..... میں کبھی تمہارے آگے آؤں گی بھی نہیں۔''

وہ نم ہوتے گالوں کے ساتھ نہایت جذباتیت سے بول رہی تھی۔

''او کشمائن.....! اچھی کشمائن.....! مجھے معاف کر دو' مجھے معاف کر دو۔'' طارم یکدم ہی بچی سے معافیاں مانگنے لگی۔

''طارم.....! طارم.....! پلیز' مجھ سے معافی مت مانگو۔ خدا سے مانگو کیونکہ مجھے لگتا ہے' وہ تم سے ناراض تھا جبھی تو اتنی مشکلات آئیں تمہاری خوشیوں بھری زندگی میں..... اور پتا ہے' تم نے تو مجھے اس کے بے حد قریب کر دیا ہے۔ مجھے اتنا اچھا تم نے بنایا ہے۔ اس پچھلے ایک سال میں خدا کے اتنے قریب ہو گئی جتنی پچھلی ساری زندگی میں نہیں ہو سکی۔''

کشمائن نے حیرت و پیار سے اسے تھاما اور اس کے آنسو صاف کرنے لگی۔

''کشمائن.....! کشمائن.....! I need you. مجھے اب زندگی کے ہر قدم پر تمہاری ضرورت ہے۔'' اس نے کشمائن کے ہاتھ تھام لیے۔

''ہم تینوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔'' وہ مسکرا دی۔

دور کھڑے شاہ میر نے ایک پرسکون لمبی سانس خارج کی تھی' بے ساختہ مسکرایا اور ان دونوں کو دیکھنے لگا۔ طارم کے ساتھ ساتھ کشمائن کی نظریں بھی اس پر پڑی تھیں۔ وہ بے ساختہ کھل کر مسکرا دیا اور وہ دونوں بھی مسکراتی ہوئی اٹھ کر اس کی طرف بڑھ گئیں۔

تیز ہوا کے جھونکے نے کتنے ہی رنگ برنگے پھول ان کی راہ میں بکھیر دیئے تھے۔ نفرت کیفر کردار کو پہنچے تو محبت بہت طویل جشن منائی ہے' ذرہ ذرہ مہک رہا تھا۔